

امام جصاصؒ کے اس بیان سے یہ بات واضح ہو گئی کہ جس شخص کی آنکھ دیر میں کھلی اور عام طور پر صبح کی اذان ہوئی تھی جس سے صبح ہونے کا یقین لازمی ہے، وہ جان بوجھ کر اس وقت کچھ کھینگا تو وہ گناہگار بھی ہوگا اور قضاء بھی اس پر لازم ہوگی، اور مشکوک حالت میں کھائے گا تو گناہ ساقط ہو جائے گا، مگر قضاء ساقط نہ ہوگی، اور کسی نہ کسی درجہ میں کراہت بھی ہوگی۔

**اعتکاف اور اس کے مسائل** | اعتکاف کے لغوی معنی کسی جگہ ٹھہرنے کے ہیں، اور اصطلاح قرآن و سنت میں خاص شرائط کے ساتھ مسجد میں ٹھہرنے اور قیام کرنے کا نام اعتکاف ہے، لفظی التماسی کے عموم سے ثابت ہوا کہ اعتکاف ہر مسجد میں ہو سکتا ہے، حضرات فقہاء نے جو شرط بیان کی ہر کہ اعتکاف صرف اس مسجد میں ہو سکتا ہے جس میں جماعت ہوتی ہو غیر آباد مسجد جہاں جماعت نہ ہوتی ہو اس میں اعتکاف درست نہیں، یہ شرط درحقیقت مسجد کے مفہوم ہی سے مستفاد ہے، کیونکہ مساجد کے بنانے کا اصل مقصد جماعت کی نماز ہے، ورنہ تنہا نماز تو ہر جگہ دکان مکان وغیرہ میں ہو سکتی ہے۔

**مسئلہ:** روزے کی رات میں کھانا، پینا، بی بی سے مباشرت سب کا حلال ہونا اور پر بیان ہوا ہے، حالت اعتکاف میں کھانے پینے کا تو وہی حکم ہو جو سبکے لئے ہے، مگر مباشرت نساء کے معاملہ میں الگ ہے، کہ وہ رات میں بھی جائز نہیں اس لئے اس آیت میں اسی کا حکم بتایا گیا ہے۔

**مسئلہ:** اعتکاف کے دو سکر مسائل کہ اس کے ساتھ روزہ شرط ہے، اور یہ کہ اعتکاف میں مسجد رکھنا بغیر حاجت طبعی یا شرعی کے جائز نہیں، کچھ اسی لفظ اعتکاف سے مستفاد ہیں کچھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل سے۔

آخر آیت میں یَلْقَیْ حُرُودُ اللّٰہِ فَلَا تَقْرَءُ بِہَا، فرما کر اشارہ کر دیا کہ روزے میں کھانے پینے اور مباشرت کی جو مانعت ہے یہ اللہ کے حدود ہیں، ان کے قریب بھی مت جاؤ، کیونکہ قریب جانے سے حد شکنی کا احتمال ہے، اسی لئے روزہ کی حالت میں کلی کرنے میں مبالغہ کرنا مکروہ ہے، جس سے پانی اندر جانے کا خطرہ ہو، منہ کے اندر کوئی دوا استعمال کرنا مکروہ ہے، بی بی سے بوس کنا مکروہ ہے، اسی طرح سحری کھانے میں احتیاطاً وقت ختم ہونے سے دو چار منٹ پہلے ختم کرنا اور افطار میں دو تین منٹ مؤخر کرنا، بہتر ہے، اس میں بے پروائی اور سہل انگاری اس ارشاد خداوندی کے خلاف ہے۔

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدُّوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ

اور نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کا آپس میں ناحق اور نہ پہنچاؤ ان حکاموں تک کہ

لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۸۸﴾

کھا جاؤ کوئی حصہ لوگوں کے مال میں سے ظلم کر کے (ناحق)، اور تم کو معلوم ہے۔

## ربط آیات خلاصہ تفسیر

پچھلی آیتوں میں روزے کے احکام مذکور تھے، جس میں حلال چیزوں کے استعمال کو ایک معین زمانے میں اور معین وقت میں حرام کر دیا گیا ہے، اس کے بعد مال حرام حاصل کرنے اور اس کے استعمال کرنے کی مانعت اسی مناسبت سے ذکر کی گئی کہ عبادت صوم کا اصل منشاء یہی ہے کہ انسان کچھ عرصے حلال چیزوں سے بھی صبر کا خوگر ہو جائے گا، تو حرام چیزوں سے بچنا آسان ہو جائے گا، نیز یہ مناسبت بھی ہے کہ جب روزہ ختم ہوا فطار کے لئے مالی حلال ہتیا کرنا چاہئے، جس نے دن بھر روزہ رکھا شام کو مال حرام سے افطار کیا اس کا روزہ اللہ کے نزدیک قبول نہیں۔

**حکم ششم، مال حرام سے بچنا** | اور آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق مت کھاؤ اور ان (کے جھوٹے مقدمہ) کو حکام کے یہاں اس غرض سے رجوع مت کرو کہ (اس کے ذریعہ سے) لوگوں کے مالوں کا ایک حصہ بطریق گناہ (یعنی ظلم) کے کھا جاؤ، جبکہ تم کو (اپنے جھوٹ اور ظلم کا) علم بھی ہو۔

## معارف و مسائل

اس آیت میں حرام طریقوں سے مال حاصل کرنے اور استعمال کرنے کی مانعت ہے، جس طرح اس سے پہلے اسی سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۱۶۸ میں حلال طریقہ پر حاصل کرنے اور استعمال کرنے کی اجازت کا بیان گزر چکا ہے، جس میں ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ  
حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ  
الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ

”یہ لوگو کھاؤ زمین کی چیزوں میں سے جو چیزیں حلال اور ستھری ہیں اور شیطان کے قدم پر نہ چلو، کیونکہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے“



اور سورۃ نمل آیت ۱۱۴ میں ارشاد فرمایا:-

تَكُونُوا مِمَّنْ يَتَقَرَّبُونَ إِلَى اللَّهِ حُلًى  
يَكْتُمُونَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ وَيَتَّبِعُونَ آيَاتَ اللَّهِ  
وَيُؤْتُونَ مِمَّا رَزَقَهُمْ سِرًّا وَكَفًّا

یعنی کھاؤ جو روزی دی تم کو اللہ تعالیٰ نے  
ملاں اور پاک اور شکر کر اللہ کے احسان  
کا اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو

کسب مال کے اچھے برے ذرائع  
اور اچھائی بُرائی کا معیار

جس طرح مال کی ضرورت اور مدار زندگی ہونے پر  
ساری دنیا اور اس کی ہر قوم و ملت کا اتفاق ہے،  
اسی طرح اس پر بھی اتفاق ہے کہ اس کی تحصیل کے

کچھ ذرائع پسندیدہ اور جائز ہیں، کچھ ناپسند اور منوع ہیں، چوری، ڈاکہ، دھوکہ، فریب کو ساری ہی  
دنیا بُرا سمجھتی ہے، لیکن ان ذرائع کے جائز یا ناجائز ہونے کا کوئی صحیح معیار عام طور پر لوگوں کے ہاتھ میں  
نہیں، اور ہو بھی نہیں سکتا، کیونکہ اس کا تعلق پوری دنیا کے انسانوں کی صلاح و فلاح سے ہے اور  
پورا عالم انسانی اس سے متاثر ہوتا ہے، اس کا صحیح اور معقول معیار صرف وہی ہو سکتا ہے جو  
رب العالمین کی طرف سے بذریعہ وحی بھیجا گیا ہو، ورنہ اگر خود انسان اس کا معیار بنانے کا مختار ہو  
تو جو لوگ اس کا قانون بناتیں گے وہ اپنی قوم یا اپنے وطن یا اپنی ملت کے بارے میں جو کچھ سوچیں  
وہ عام عادت کے مطابق اس سے مختلف ہوگا جو دوسری قومیں اور وطنوں کے متعلق سوچا جائے گا۔  
اور بین الاقوامی کانفرنسوں کی صورت میں پوری دنیا کی نمائندگی کی جائے تو تجربہ شاید ہو کہ وہ بھی  
ساری مخلوق کو مطمئن کرنے کا ذریعہ نہیں بن سکتی، جس کا نتیجہ یہ ہو کہ یہ قانونی ناانصافی انجام کار  
جنگ و جدل اور فساد کی صورت اختیار کرے گی۔

اسلامی نظام معاش ہی شریعت اسلام نے حلال و حرام اور جائز و ناجائز کا جو قانون بنایا، وہ حرا و وحی الہی  
دنیا میں قائم کر سکتا ہے۔ یہی اس کے مستفاد اور وہی ایک ایسا معقول فطری و جمیع قانون جو ہر قوم و ملت  
اور ہر ملک و وطن میں چل سکتا ہے، اور امن و مامہ کا ضامن ہو سکتا ہے، کیونکہ اس قانون الہی میں قابل  
اشتراک چیزوں کو مشترک اور وقف عام رکھا گیا ہے، جس میں تمام انسان مساوی حق رکھتے ہیں جیسے  
ہوا پانی، خورد و گھاس، آگ کی حرارت اور غیر ملوک جنگلات اور غیر آباد زمینیں جی جنگلات کی پیداوار  
وغیرہ کہ ان میں سب انسانوں کا مشترک حق ہے، کسی کو ان پر مالکانہ قبضہ جائز نہیں اور جن چیزوں  
کے اشتراک میں انسانی معاشرت میں خلل پیدا ہوتا ہے، یا نزاع و جدل کی صورتیں پیدا ہوتی ہیں  
ان میں انفرادی ملکیت کا قانون جاری فرمایا گیا، کسی زمین یا اس کی پیداوار پر ابتدائی ملکیت  
کا قانون جہاں ہے، اور پھر انتقال ملکیت کا جہاں اس قانون کی ہر دفعہ میں اس کا لحاظ رکھا گیا ہو کہ کوئی  
انسان ضروریات زندگی سے محروم نہ رہے، بشرطیکہ وہ اپنی جدوجہد ان کی تحصیل میں خرچ کرے،

اور کوئی انسان دوسروں کے حقوق غصب کر کے یا دوسروں کو نقصان پہنچا کر سرمایہ کو محدود افراد میں  
مقبضہ کر دے، انتقال ملکیت خواہ بعد الموت وراثت کے قانون الہی کے مطابق ہو، یا پھر بیع و شرا  
وغیرہ کے ذریعہ فریقین کی رضامندی سے ہو، مزدوری ہو یا کسی مال کا معاوضہ دونوں میں اس کو  
ضروری قرار دیا گیا کہ معاملہ میں کوئی دھوکہ، فریب، یا تلبیس نہ ہو، اور کوئی ایسا ابہام اور اجمال  
نہ رہے جس کی وجہ سے باہمی منازعت کی نوبت آئے۔

یز اس کی بھی رعایت رکھی گئی ہے کہ فریقین جو رضامندی دے رہے ہیں وہ حقیقی رضامندی  
ہو، کسی انسان پر دباؤ ڈال کر کوئی رضامندی نہ لی گئی ہو، شریعت اسلام میں جتنے معاملات ہل یا  
فاسد اور گناہ کہلاتے ہیں ان سب کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ ان میں وجوہ مذکور میں کسی وجہ سے  
خلل ہوتا ہے، کہیں دھوکہ فریب ہوتا ہے، کہیں نامعلوم چیز یا نامعلوم عمل کا معاوضہ ہوتا ہے،  
کہیں کسی کا حق غصب ہوتا ہے، کہیں کسی کو نقصان پہنچا کر اپنا نفع کیا جاتا ہے، کہیں حقوق ماہ  
میں ناجائز تصرف ہوتا ہے، سود، قمار وغیرہ کو حرام قرار دینے کی اہم وجہ یہ ہے کہ وہ حقوق مادم  
کے لئے مضری ہیں، ان کے نتیجے میں چند افراد پلتے بڑھتے ہیں، اور پوری ملت مفلس ہوتی ہے،  
ایسے معاملات فریقین کی رضامندی سے بھی اس لئے حلال نہیں کہ وہ پوری ملت کے خلاف  
ایک جرم ہے، آیت مذکورہ ان تمام ناجائز صورتوں پر حاوی ہے، ارشاد ہے، وَلَا تَكُونُوا مِمَّنْ أَمَّا لَكَ  
بَيْنَكَ وَمَا بَيْنَ يَدَيْهِ فَيَحْكُمُ عَلَيْكَ فَتَكُونُ مِنَ الْخَاسِرِينَ، یعنی نہ کھاؤ ایک دوسرے کا مال ناجائز طریق پر، اس میں ایک بات تو یہ قابل  
غور ہو کہ قرآن کریم کے الفاظ میں آمَّا لَكَ مِمَّا بَيْنَ يَدَيْهِ، جس کے اصلی معنی ہیں اپنے اموال جن  
میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا کہ تم جو کسی دوسرے کے مال میں ناجائز تصرف کرتے ہو تو یہ غور  
کر دو کہ دوسرے شخص کو بھی اپنے مال سے ایسی ہی محبت اور تعلق ہوگا جیسا تمہیں اپنے مال  
سے ہے، اگر وہ تمہارے مال میں ایسا ناجائز تصرف کرتا تو تمہیں جو دکھ پہنچا اُس کا اس وقت بھی  
ایسا ہی احساس کر دو، کہ گویا وہ تمہارا مال ہے۔

اس کے علاوہ اشارہ اس طرف بھی ہو سکتا ہے کہ جب ایک شخص دوسرے کے مال میں  
کوئی ناجائز تصرف کرتا ہے تو اس کا فطری نتیجہ یہ ہے کہ اگر یہ رسم چل پڑی تو دوسرے اس کے  
مال میں ایسا ہی تصرف کریں گے، اس حیثیت سے کسی شخص کے مال میں ناجائز تصرف حقیقت  
اپنے مال میں ناجائز تصرف کے لئے راستہ ہموار کرنا ہے، غور کیجئے اشیاء ضرورت میں ملاوٹ  
کی رسم چل جائے، کوئی گھی میں تیل یا چربی ملا کر زائد پیسے حاصل کرے، تو اس کو جب دودھ خریدنے  
کی ضرورت پڑے گی دودھ والا اس میں پانی ملا کر دے گا، مسالہ کی ضرورت ہوگی اس میں ملاوٹ  
ہوگی، دوا کی ضرورت ہوگی اس میں بھی یہی منظر سامنے آئے گا، تو جتنے پیسے ایک شخص نے ملاوٹ



کر کے زائد حاصل کرنے، دوسرا آدمی وہ پیسے اس کی جیب نکال لیتا ہے، اسی طرح دوسرے کے پیسے تیسرا نکال لیتا ہے، یہ بیوقوف اپنی جگہ پیسوں کی زیادتی شمار کر کے خوش ہوتا ہے، مگر انجام نہیں دیکھتا کہ اس کے پاس کیا رہا، تو جو کوئی دوسرے کے مال کو غلط طریقے سے حاصل کرتا ہے درحقیقت وہ اپنے مال کے ناجائز تصرف کا دروازہ کھولتا ہے۔

دوسری بات قابل غور یہ ہے کہ اس ارشاد خداوندی کے الفاظ عام ہیں کہ باطل اور ناجائز طریق سے کسی کا مال نہ کھاؤ، اس میں کسی کا مال غصب کر لینا بھی داخل ہے، چوری اور ڈاکہ بھی، جن میں دوسرے پر ظلم کر کے جبراً مال چھین لیا جاتا ہے، اور سود، قمار، رشوت اور تمام بیوع فاسدہ اور معاملات فاسدہ بھی جو از روئے شرع جائز نہیں، اگرچہ منکرین کی رضا مندی بھی متحقق ہو، جھوٹ بول کر یا جھوٹی قسم کھا کر کوئی مال حاصل کر لینا یا ایسی کمائی جس کو شریعت اسلام نے ممنوع قرار دیا ہے، اگرچہ اپنی جان کی محنت ہی سے حاصل کی گئی ہو وہ سب حرام اور باطل ہیں، اور قرآن کے الفاظ میں اگرچہ صراحت کھانے کی مانعت مذکور ہے، لیکن مراد اس جگہ صرف کھانا ہی نہیں بلکہ مطلقاً استعمال کرنا ہے، خواہ کھالی کرو یا پین کر یا دوسرے طریقے کے استعمال سے، مگر محاورات میں ان سبب سے ہمتاؤں کو کھالینا ہی بولا جاتا ہے، کہ فلاں آدمی فلاں کا مال کھا گیا، اگرچہ وہ مال کھانے پینے کے لائق نہ ہو۔

**شان نزول** آیت ایک خاص واقعہ میں نازل ہوئی، اور واقعہ یہ ہے کہ حضرت صحابہ کرام میں سے دو صاحبزادے آئیں، ایک زمین پر جھگڑا ہوا، امت محمدیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں پیش ہوا، مدعی کے پاس گولہ نہ تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شرعی ضابطہ کے مطابق مدعا علیہ کو حاکم کر کے حکم دیا، وہ حلف پر آمادہ ہو گیا، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور نصیحت ان کو یہ آیت سنائی: **إِنَّ أَوْلَىٰ بَيْنَ بَنِي إِسْرَءِيلَ يَحْلِفُونَ عَلَىٰ أَنَّهُمْ قَتَلُوا دَاوُدَ بْنَ يَسَّىٰ وَآيَمًا بِهِمْ فَتَمَنَّا قَتَلَهُ**، جس میں قسم کھا کر کوئی مال حاصل کرنے پر وعید مذکور ہے، صحابی نے جب یہ آیت سنی تو قسم کھانے کو ترک کر دیا اور زمین مدعی کے حوالہ کر دی۔ (روح المعانی)

اس واقعہ میں یہ آیت نازل ہوئی، جس میں ناجائز طریق پر کسی کا مال کھانے یا حاصل کرنے کو حرام قرار دیا ہے، اور اس کے آخر میں خاص طور پر جھوٹا مقدمہ بنانے اور جھوٹی قسم کھانے اور جھوٹی شہادت دینے اور دلوں کی سخت مانعت اور اس پر وعید آئی ہے، ارشاد ہے: **وَتَذَكَّرُوا بِمَا آتَىٰ إِلَىٰ الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقَتَيْنِ مِمَّا آتَاكُم بِالْأَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ** یعنی نہ لے جاؤ اموال کے مقدمات حکام تک، تاکہ ان کے ذریعہ تم لوگوں کے اموال کا کوئی حصہ کھا جاؤ بطریق گناہ جب کہ تم جانتے بھی ہو کہ اس میں تمہارا کوئی حق نہیں، تم جھوٹا مقدمہ بنا رہے ہو، **وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ** سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی مخالفہ کی بنا پر اس چیز کو اپنا حق سمجھتا ہے، وہ اگر عدالت میں

دعویٰ دائر کر کے اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرے تو وہ اس وعید میں داخل نہیں، اسی جیسے ایک واقعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ  
إِلَىٰ وَتَعْلَمُونَ أَنَّهُ يَكُونُ  
أَلْعَنَ بِحُجَّتِهِ مِنْ تَعْلَمُونَ  
لَهُ عَلَىٰ تَحْوِي مَا أَسْمُ مِنْهُ فَمَنْ  
قَضَيْتَ لَهُ يَتْلَىٰ مِنْ حَقِّ أَخِيهِ  
فَلَا يَأْخُذْهُ فَإِنَّمَا أَفْطَمَ لَهُ  
يَقْطَعُ مِنَ النَّارِ (رواه البخاری  
ومسلم عن ام سلمة)

”یعنی میں ایک انسان ہوں اور تم میرے پاس اپنے مقدمات لاتے ہو، اس میں یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص اپنے معاملہ کو زیادہ رنگ آمیزی کے ساتھ پیش کرے، اور میں اسی سے مطمئن ہو کر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں تو زیادہ کھو کر حقیقت حال تو مجھ سے معاملہ کو خود معلوم ہوتی ہے، اگر فی الواقع وہ اس کا حق نہیں ہے تو اس کو لینا نہیں

چاہئے، کیونکہ اس صورت میں جو کچھ میں اس کو دوں گا وہ جہنم کا ایک قطعہ ہو گا۔  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد میں واضح فرمادیا کہ اگر امام یا قاضی یا امام المسلمین کسی مخالف کی وجہ سے کوئی فیصلہ کرے جس میں ایک کا حق دوسرے کو ناجائز طور پر مل رہا ہو، تو اس عدالتی فیصلہ کی وجہ سے وہ اس کے لئے حلال نہیں ہو جاتا، اور جس کے لئے حلال ہے اس کے لئے حرام نہیں ہو جاتا، الغرض عدالت کا فیصلہ کسی حلال کو حرام یا حرام کو حلال نہیں بناتا، اگر کوئی شخص جو کہ فریب یا جھوٹی شہادت یا جھوٹی قسم کے ذریعہ کسی کا مال بذریعہ عدالت لے لے، تو اس کا وبال اس کی گردن پر رہے گا اس کو چاہئے کہ آخرت کے حساب کتاب اور عظیم ذخیر کی عدالت میں پیشی کا خیال کر کے اس کو چھوڑ دے۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جن معاملات میں کوئی عقد یا فیخ ہوتا ہو اور جن میں قاضی یا جج کو بھی شرعاً اختیارات حاصل ہوتے ہیں، ایسے معاملات میں اگر جھوٹی قسم یا جھوٹی شہادت کی بنا پر بھی کوئی فیصلہ قاضی نے صادر کر دیا تو شرعاً وہ عقد یا فیخ صحیح ہو جائے گا، اور حلال و حرام کے احکام اس پر مامد ہو جائیں گے، اگرچہ جھوٹ بولنے اور جھوٹی شہادت دلوں کے کا وبال اس کی گردن پر رہے گا۔

**مال حلال کی برکات**  
مقامات میں مختلف عنوانات سے تاکیدیں فرمائی ہیں، ایک آیت میں اس کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ انسان کے اعمال و اخلاق یا بہت بڑا دخل حلال کھانے کو ہے، اگر اس کا کھانا پینا حلال نہیں تو اس سے اخلاق حمیدہ اور



اعمال صالحہ کا صدور شکل ہوا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ مَنُكَلِّمُوا أَيْنَ الظُّلُمَاتِ  
وَأَعْمَلُوا أَصْلَاحًا لِّأَيِّ يَمَانَعُكُمُ  
عَلَيْكُمْ (۵۱:۲۳)

”یعنی اے گردہ انبیاءِ حلال اور پاک چیزیں  
کھاؤ، اور نیک عمل کرو، میں تمہارے اعمال  
کی حقیقت سے واقف ہوں“

اس آیت میں حلال کھانے کے ساتھ عملِ صالح کا حکم شرما کر اشارہ کر دیا ہے کہ اعمالِ صالحہ کا صدور جب ہی ہو سکتا ہے جبکہ انسان کا کھانا پینا حلال ہو، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں یہ بھی واضح فرما دیا کہ اس آیت میں اگرچہ خطاب انبیاء علیہم السلام کو ہے، مگر یہ حکم کچھ انھیں کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ سب مسلمان اس کے مامور ہیں، اس حدیث کے آخر میں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ حرام مال کھانے والے کی دعا قبول نہیں ہوتی، بہت سے آدمی عبادت وغیرہ میں مشقت اٹھاتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ دعا کے لئے پھیلاتے ہیں، اور یارب یارب پکارتے ہیں، مگر کھانا ان کا حرام، پینا ان کا حرام، لباس ان کا حرام ہے تو ان کی یہ دعا کہاں قبول ہو سکتی ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا ایک بہت بڑا حصہ اسی کام کے لئے وقف رہا ہے کہ امت کو حرام سے بچانے اور حلال کے استعمال کرنے کی ہدایتیں دیں۔

ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے حلال کھایا اور سنت کے مطابق عمل کیا اور لوگ اس کی ایذاؤں سے محفوظ رہے وہ جنت میں جائے گا، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آجکل تو یہ حالات آپ کی امت میں عام ہیں، بیشتر مسلمان ان کے پابند ہیں، آپ نے فرمایا ہاں! آئندہ بھی ہر زمانہ میں ایسے لوگ رہیں گے جو ان احکام کے پابند ہوں گے (یہ حدیث ترمذی نے روایت کی ہے، اور اس کو صحیح فرمایا ہے)

ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے فرمایا کہ چار خصلتیں ایسی ہیں جب وہ تمہارے اندر موجود ہوں تو پھر دنیا میں کچھ بھی حاصل نہ ہو تو تمہارے لئے کافی ہیں، وہ چار خصلتیں یہ ہیں کہ ایک امانت کی حفاظت، دوسرے سچ بولنا، تیسرے حسن خلق، چوتھے کھانے میں حلال کا اہتمام۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ میرے لئے یہ دعا فرمادیجئے کہ میں معتبول الدعاء ہو جاؤں، جو دعا کیا کروں قبول ہو کرے، آپ نے فرمایا اے سعد اپنا کھانا حلال اور پاک بنا، لو، تجاب الدعوات ہو جاؤ گے، اور قسم ہو اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے بندہ جب اپنے پیٹ میں حرام لقمہ ڈالتا ہے تو

چالیس روز تک اس کا کوئی عمل قبول نہیں ہوتا، اور جس شخص کا گوشت حرام مال سے بنا ہو اس گوشت کے لئے تو جہنم کی آگ ہی لائق ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہو اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ کوئی بندہ اُس وقت تک مسلمان نہیں ہوتا جب تک اس کا قلب اور زبانِ مسلم نہ ہو جائے، اور جب تک اس کے پڑوسی اس کی ایذاؤں سے محفوظ نہ ہو جائیں، اور جب کوئی بندہ مالِ حرام کما تکے پھر اس کو صدقہ کرتا ہے تو وہ قبول نہیں ہوتا، اور اگر اس میں سے خرچ کرتا ہے تو برکت نہیں ہوتی، اور اگر اس کو اپنے وارثوں کے لئے چھوڑ جاتا ہے تو وہ جہنم کی طرف جانے کے لئے اس کا توشہ ہوتا ہے، بیشک اللہ تعالیٰ بڑی چیز سے بُرے عمل کو نہیں پسند دھوئے، ہاں اچھے عمل سے بُرے عمل کو دھو دیتے ہیں۔

مشرقی ہر انسان کا پنج ہم ساوا اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

مَا تَزَالُ قَدَّ مَا عَقِبَ يَوْمًا لَّعِنًا مَعَهُ  
حَتَّى يَسْأَلَ عَنْ أَمْرِهِ عَنْ عَمْرِو بْنِ قَيْسٍ  
مَا ذُنَابُهُ وَعَنْ شَبَابِهِ فَيَسْأَلُ أَبْلَاكَ  
وَعَنْ مَالِهِ بَيْنَ أَيْمَنِ اكْتَسَبَهُ وَفِيْمَا  
الْتَفَعَهُ وَعَنْ عَمَلِهِ مَا ذَا عَمِلَ  
فِيَوْمٍ (البیہقی، مرغیب)

”قیامت کے روز عمر میں کوئی بندہ اپنی  
جگہ سے سرک نہ سکے گا، جب تک اس سے چار  
سوالوں کا جواب نہ لیا جائے، ایک یہ کہ اس نے  
اپنی عمر کس کام میں فنا کی دوسرے یہ کہ اپنی  
جوانی کس شغل میں برباد کی تیسرے یہ کہ اپنا  
مال کہاں سے کمایا، اور کہاں خرچ کیا، اور چوتھے  
یہ کہ اپنے علم پر کہاں تک عمل کیا“

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ خطبہ دیا، جس میں فرمایا کہ اے جماعتِ مہاجرین، پنج خصلتیں ہیں جن کے متعلق میں اللہ تعالیٰ ہے پناہ مانگتا ہوں کہ وہ تمہارے اندر پیدا ہو جائیں، ایک یہ کہ جب کسی قوم میں بے حیائی پھلتی ہے تو ان پر طاعون اور وبایں اور ایسے نئے نئے امراض مسلط کر دیئے جاتے ہیں جو ان کے آباء و اجداد نے کئے بھی نہ تھے، اور دوسرے یہ کہ جب کسی قوم میں ناپ تول کے اندر کمی کرنے کا مرض پیدا ہو جا تو ان پر قحط اور گرانی اور مشقت و محنت اور حکام کے مظالم مسلط کر دیئے جاتے ہیں، اور تیسرے یہ کہ جب کوئی قوم زکوٰۃ ادا نہ کرے تو بارش بند کر دی جاتی ہے، اور چوتھے یہ کہ جب کوئی قوم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے عہد کو توڑ ڈالے تو اللہ تعالیٰ ان پر اجنبی دشمن مسلط فرما دیتے ہیں، جو ان کے مال بغیر کسی حق کے چھین لیتا ہے، اور پانچویں یہ کہ جب کسی قوم کے اربابِ اقتدار کتاب اللہ کے قانون پر فیصلہ نہ کریں، اور اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام ان کے دل کو نہ لگیں تو

عہ بعض روایات میں ہلکا کھانے سے اس میں مال کے دو سوالوں کو الگ الگ شمار کیا



اللہ تعالیٰ ان کے آپس میں منافرت اور لڑائی جھگڑے ڈال دینے میں مدد دیتا ہے اور حکم نے اس کو صحیح علی شرط مسلم فرمایا ہے۔  
اللہ تعالیٰ ہم کو اور سب مسلمانوں کو ان آفات سے محفوظ رہنے کی توفیق کامل عطا فرمائیں  
وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

يَسْعَوْنَكَ عَنِ الْاَهْلِ كُلِّ هِي مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَبِجِّ مَوَاقِيْتُ

تجھ سے بڑھتے ہیں حال نئے چاند کا بھر دے کہ میادقات مقررہ ہیں لوگوں کی واسطے اور حج کے واسطے اور

الْبِرِّ بَانَ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَكِنَّ الْبِرَّ مِنَ الْقِيَّةِ وَ

یکلی نہیں کہ گھروں میں آؤ ان کی پشت کی طرف سے اور لیکن نیکی یہ کہ جو کوئی ڈرے اللہ سے اور

أَتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۱۳﴾

گھروں میں آؤ دروازوں سے اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم اپنی مراد کو پہنچو۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُوكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا اِنَّا

اور لڑو اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جو لڑتے ہیں تم سے اور کسی پر زیادتی مت کرو بیشک

اللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿۱۴﴾ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَ

اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے زیادتی کرنے والوں کو، اور مار ڈالو ان کو جس جگہ پاؤ اور

اَخْرِجُوهُمْ مِنْ حَيْثُ اَخْرَجُوكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ

نکال دو ان کو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا اور دین سے بچنا مار ڈالنے سے بھی زیادہ سخت ہے

وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّى يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ فَاِنْ

اور نہ لڑو ان سے مسجد الحرام کے پاس جب تک کہ وہ نہ لڑیں تم سے اس جگہ پھر اگر وہ

فَاتْلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ كَذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ﴿۱۵﴾

خود ہی لڑیں تم سے تو ان کو مار دو یہی ہے سزا کا فسردوں کی۔

رَبُّ آيَاتٍ اَيَّتْ لَيْسَ الْبِرَّ كَالَّذِي يُبَيِّنُ مَا جَاءَ فِي الْقُرْآنِ

ابو ابی البر کا بیان ہو گا، جو اہم احکام شرعیہ پر مشتمل ہیں، ان میں پہلا حکم قصاص کا دوسرا وصیت کا،  
تیسرا اور چوتھا صوم اور اس کے متعلقہ مسائل کا پانچواں اعتکاف کا، چھٹا مال حرام سے بچنے کا تھا،  
مذکورہ صدر دو آیتوں میں حج اور جہاد کے احکام و مسائل کا بیان ہے، اور حج کے حکم سے پہلے یہ  
بتلایا گیا کہ روزہ اور حج وغیرہ میں قمری مہینوں اور دنوں کا اعتبار ہو گا۔

لغاست: اہلہ، ہلال کی جمع ہے، قمری مہینہ کی ابتدائی چند راتوں کے چاند کو ہلال  
کہا جاتا ہے، مَوَاقِيْتُ، میقات کی جمع ہے، جس کے معنی مطلق وقت یا مہینہ کا وقت کے آتے ہیں (ذہبی)

## خلاصہ تفسیر

حکم ہفتم، اعتبار حساب (یعنی آدمی آپ سے ان) چاندوں کے (ہر مہینہ گھٹنے بڑھنے کی)

حالت را اور اس میں جو فائدہ ہے اس فائدہ کی تحقیقات کرتے ہیں

قمری درج و غیرہ آپ فرمادیجئے کہ فائدہ اس کا یہ ہو کہ وہ چاند اپنے اس گھٹنے اور

بڑھنے کے اعتبار سے لڑ دینا یا سہولت (آلہ سشناخت اوقات ہیں لوگوں کے اختیاری معاملات

مثل عدت و مطالبہ حقوق کے لئے اور غیر اختیاری عبادات مثل حج و زکوٰۃ و روزہ وغیرہ)

کے لئے۔

حکم ہشتم، اصلاح رسم جاہلیت (بعض لوگ قبل اسلام کے اگر حج کا احرام باندھنے کے بعد کسی

ضرورت سے گھر جانا چاہتے تھے، تو دروازہ سے جانا ممنوع

جانتے تھے، اس لئے پشت کی دیوار میں نقب دے کر اس میں سے اندر جاتے تھے، اور اس عمل

کو فضیلت سمجھتے تھے، حق تعالیٰ اس کے متعلق بعد ذکر حج کے ارشاد فرماتے ہیں) اور اس میں

کوئی فضیلت نہیں کہ گھروں میں ان کی پشت کی طرف سے آیا کرو، ہاں لیکن فضیلت یہ ہو کہ کوئی

شخص حرام (چیسروں) سے بچے اور چونکہ گھروں میں دروازہ کی طرف سے آنا حرام نہیں ہے

اس لئے اس سے بچنا بھی ضروری نہیں، سو اگر آنا چاہو تو گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ،

اور (اصل الاصول تو یہ ہو کہ) خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہو اس سے البتہ امید ہے کہ تم راہین

میں کامیاب ہو۔

حکم نہم، قتال کفار (۱۵) (۱۴) (۱۳) (۱۲) (۱۱) (۱۰) (۹) (۸) (۷) (۶) (۵) (۴) (۳) (۲) (۱)

۱۵) (۱۴) (۱۳) (۱۲) (۱۱) (۱۰) (۹) (۸) (۷) (۶) (۵) (۴) (۳) (۲) (۱)

۱۶) (۱۵) (۱۴) (۱۳) (۱۲) (۱۱) (۱۰) (۹) (۸) (۷) (۶) (۵) (۴) (۳) (۲) (۱)

۱۷) (۱۶) (۱۵) (۱۴) (۱۳) (۱۲) (۱۱) (۱۰) (۹) (۸) (۷) (۶) (۵) (۴) (۳) (۲) (۱)

۱۸) (۱۷) (۱۶) (۱۵) (۱۴) (۱۳) (۱۲) (۱۱) (۱۰) (۹) (۸) (۷) (۶) (۵) (۴) (۳) (۲) (۱)

۱۹) (۱۸) (۱۷) (۱۶) (۱۵) (۱۴) (۱۳) (۱۲) (۱۱) (۱۰) (۹) (۸) (۷) (۶) (۵) (۴) (۳) (۲) (۱)



تشریف لا کر عمرو اور افراد میں، چنانچہ ذی قعدہ عشرہ میں پھر آپ اسی قصد سے تشریف لے چلے، لیکن آپ کے ساتھی مسلمانوں کو یہ اندیشہ ہوا کہ شاید مشرکین اپنا معاہدہ پورا نہ کریں اور آمادۂ مقابلہ و معاکرہ ہو جاویں، تو ایسی حالت میں نہ سکوت مصلحت ہے، اور اگر مقابلہ کیا جاوے تو ذی قعدہ میں قتال لازم آتا ہے، اور یہ مہینہ منجملہ اُن چار مہینوں کے ہے جن کو اُشہر حُرّم کہا جاتا ہے، ان چاروں مہینوں میں اُس وقت تک قتل و قتال حرام و ممنوع تھا، یہ چار مہینے ذیقعدہ، ذیحجہ، محرم اور رجب تھے، غرض مسلمان اس تردد سے پریشان تھے، حق تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائی کہ ان خاص معاہدہ کرنے والوں کے ساتھ بوجہ باہمی معاہدہ کے تم کو اپنی جانب سے ابتداء قتال کرنے کی اجازت نہیں، لیکن اگر وہ لوگ خود عہد شکنی کریں اور تم سے لڑنے کو آمادہ ہو جاویں تو اُس وقت تم کسی طرح کا اندیشہ دل میں مت لاؤ، اور (بے تکلف) تم (بھی) لڑو (اللہ کی راہ میں) (یعنی اس نیت سے کہ یہ لوگ دین کی مخالفت کرتے ہیں، ان لوگوں کے ساتھ نقص عہد کر کے) تمہارے ساتھ لڑنے لگیں اور (از خود) حد معاہدہ سے مت نکلو، (کہ عہد شکنی کر کے لڑنے لگو)، واقعی اللہ تعالیٰ حد (قانون شرعی) سے بھٹکنے والوں کو پسند نہیں کرتے اور (جس حالت میں وہ خود عہد شکنی کریں تو اس وقت دل کھول کر خواہ) ان کو قتل کرو چاہ ان کو پاؤ اور (خواہ) ان کو (مکہ) نکال باہر کرو چاہ ان سے انھوں نے تم کو (مٹگ کر کے اور ایذا میں پہنچا کر) بھٹکنے (اور ہجرت کرنے) پر مجبور کیا ہے، اور (تمہارے اس قتل و اخراج کے بعد بھی عقلاً الزام انھیں پر رہے گا، کیونکہ عہد شکنی جو ان سے واقع ہوگی، بڑی شرارت کی بات ہے اور ایسی) شرارت (ضرر میں) قتل (و اخراج) سے بھی سخت تر ہے (کیونکہ اس قتل و اخراج کی نسبت اس شرارت ہی کی بدولت پہنچی ہے) اور (علاوہ معاہدہ کے ان کے ساتھ ابتداء قتال کرنے سے ایک اور امر بھی منہ پورہ یہ کہ حرم تشریف یعنی مکہ اور اس کا گرد اگر دایک واجب الاحترام جگہ ہے، اور اس میں قتال کرنا اس کے احترام کے خلاف ہے، اس لئے بھی حکم دیا جاتا ہے کہ) ان کے ساتھ مسجد حرام کے قرب (و فواح) میں (جو حرم کہلاتا ہے) قتال مت کرو جب تک کہ وہ لوگ وہاں تم سے خود نہ لڑیں، ہاں اگر وہ (کفار) خود ہی لڑنے کا سامان کرنے لگیں تو اس وقت پھر تم کو بھی اجازت ہے کہ تم (بھی) ان کو مارو (و حارّو) ایسے کافروں کی (جو حرم میں لڑنے لگیں) ایسی ہی سسر ہے۔

معارف و مسائل

پہلی آیت میں صحابہ کرام کا ایک سوال اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا جواب نقل کیا گیا ہے۔ امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ

کی ایک خاص شان ہو، کہ انہوں نے بوجہ عظمت و معیت کے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات بہت کم کئے ہیں، بخلاف پچھلی امتوں کے کہ جنہوں نے بکثرت سوالات کئے اور اس ادب کو ملحوظ نہیں رکھا، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ صحابہ کرامؓ کے سوالات جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے کُل چودہ ہیں، جن میں سے ایک سوال ابھی اوپر مذکور ہے، **وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ**، دوسرا سوال یہ ہے، اور ان کے بعد سورہ بقرہ ہی میں چھ سوال اور مذکور ہیں، اور باقی چھ سوالات مختلف سورتوں میں آئے ہیں۔

آیت مذکورہ میں ذکر یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اھلۃ  
یعنی شروع پہننے کے چاند کے متعلق سوال کیا کہ اس کی صورت آفتاب سے مختلف ہے، کہ وہ کبھی  
باریک ہلالی شکل میں ہوتا ہے پھر آہستہ آہستہ بڑھتا ہی، پھر پورا دائرہ ہو جاتا ہے، پھر اس میں  
تدریجی کمی اسی طرح آتی ہے، اس کی حقیقت دریافت کی یا حکمت و مصلحت کا سوال کیا، دونوں  
احتمال ہیں، مگر جو جواب دیا گیا اس میں حکمت و مصلحت کا بیان ہے، اگر سوال ہی یہ تھا کہ چاند  
کے گھٹنے بڑھنے میں حکمت و مصلحت کیا ہی، تب تو جواب اس کے مطابق ہو ہی گیا، اور اگر سوال  
سے اس گھٹنے بڑھنے کی حقیقت دریافت کرنا مقصود تھا جو صحابہ کرامؓ کی شان سے بعید ہے تو  
پھر جواب بجا حقیقت کے حکمت و مصلحت بیان کرنے سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اجرام سماویہ کے  
حقائق دریافت کرنا انسان کے بس میں بھی نہیں، اور ان کا کوئی دینی یا دنیوی کام اس حقیقت  
کے علم پر موقوف بھی نہیں، اس لئے حقیقت کا سوال فضول ہے، پوچھنے اور بتلانے کی بات یہ  
ہے کہ چاند کے اس طرح گھٹنے بڑھنے چھپنے اور طلوع ہونے سے ہمارے کون سے مصالح وابستہ  
ہیں، اس لئے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرمایا کہ آپ ان سے کہہ دیں کہ  
تمہاری مصالح جو چاند سے وابستہ ہیں یہ ہیں کہ اس کے ذریعہ تمہیں اپنے معاملات اور معاہدوں  
کی میعاد مقرر کرنا اور حج کے ایام معلوم کرنا آسان ہو جاتے گا۔

قری اور ٹھسی حساب | اس آیت سے تو اتنا معلوم ہوا کہ چاند کے ذریعہ تھیں تاریخوں اور مہینوں کا  
کی شرعی حیثیت | حساب معلوم ہو جائے گا، جس پر تمہارے معاملات اور عبادات حج وغیرہ  
کی بنیاد ہے، اسی مضمون کو سورۃ یونس کی آیت ۵ میں اس عنوان سے بیان فرمایا ہے، وَقَدْ تَكُونُ  
لَتَعْلَمُوا عَمَدَ الْبَیِّنَاتِ وَالْحِجَابِ رِیَاسَ (جس سے معلوم ہوا کہ چاند کو مختلف منزلوں اور  
مختلف حالات سے گزارنے کا فائدہ یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سال اور مہینوں اور تاریخوں کا  
حساب معلوم ہو سکے، مگر سورۃ بنی اسرائیل کی آیت ۵۸ میں اس حساب کا تعلق آفتاب سے بھی  
بتلایا گیا ہے وہ یہ ہے:

فَمَحَوْنَا آيَةَ اللَّيْلِ وَجَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ | پھر مٹا یا رات کا نمونہ اور بنادیا دن کا

”پھر مٹایا رات کا نمونہ اور بتا دیا دن کا



مُبْحِسِرَةً لِّتَبْتَغُوا أَفْضَلًا مِّنْ  
تَّرْتِكُمْ وَلِتَعْلَمُوا عَدَدَ الَّتِي تَمُنُّونَ  
وَالْحِسَابُ ۝ (۱۲: ۱۹۱)

اسی میری آیت سے اگرچہ یہ ثابت ہوا کہ سال اور مہینوں وغیرہ کا حساب آفتاب سے بھی لگایا جاسکتا ہے رکما ذکرہ فی روح المعانی

لیکن چاند کے معاملہ میں جو الفاظ قرآن کریم نے استعمال کئے ان سے واضح اشارہ اس طرف نکلتا ہے کہ شریعت اسلام میں حساب چاند ہی کا متعلق ہے، خصوصاً ان عبادات میں جن کا تعلق کسی خاص مہینے اور اس کی تاریخوں سے ہے، جیسے روزہ رمضان، حج کے مہینے، حج کے ایام، محرم، شہر برأت وغیرہ جو احکام متعلق ہیں وہ سب رویت ہلال سے متعلق کئے گئے ہیں کیونکہ اس آیت میں جی مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ قَالِیْهِجَ فَرَاکَرْتَلَا دِیَا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حساب چاند ہی کا معتبر ہے، اگرچہ یہ حساب آفتاب سے بھی معلوم ہو سکتا ہے۔

شریعت اسلام نے چاند کے حساب کو اس لئے اختیار فرمایا کہ اس کو ہر آنکھوں والا فنی پر دیکھ کر معلوم کر سکتا ہے، عالم جاہل، دیہاتی، جزیروں، پہاڑوں کے رہنے والے جنگلی سب کو اس کا علم آسان ہے، بخلاف شمسی حساب کے کہ وہ آلات رصدیہ اور قواعد ریاضیہ پر موقوف ہے جس کو ہر شخص آسانی سے معلوم نہیں کر سکتا، پھر عبادات کے معاملہ میں تو قمری حساب کو بطور فرض متعین کر دیا، اور عام معاملات تجارت وغیرہ میں بھی اسی کو پسند کیا، جو عبادت اسلامی کا ذریعہ اور ایک طرح کا اسلامی شعار ہو، اگرچہ شمسی حساب کو بھی ناجائز قرار نہیں دیا، شرط یہ ہے کہ اس کا رواج اتنا عام نہ ہو جائے کہ لوگ قمری حساب کو بالکل بھلا دیں، کیونکہ ایسا کرنے میں عبادات روزہ و حج وغیرہ میں غلطی لازم آتا ہے، جیسا اس زمانے میں عام دفتروں اور کاروباری اداروں بلکہ نجی اور شخصی مکاتبات میں بھی شمسی حساب کا ایسا رواج ہو گیا ہے کہ بہت سے لوگوں کو اسلامی مہینے بھی پوچھے یاد نہیں رہے، یہ شرعی حیثیت کے علاوہ غیرت قومی و ملی کا بھی دیوالیہ پن ہے، اگر دفتری معاملات میں جن کا تعلق غیر مسلموں سے بھی ہے ان میں صرف شمسی حساب رکھیں، باقی نجی خط و کتابت اور روزمرہ کی ضروریات میں قمری اسلامی تاریخوں کا استعمال کریں تو اس میں فرض کفایہ کی ادائیگی کا ثواب بھی ہوگا، اور اپنا قومی شعار بھی محفوظ رہے گا۔

مسئلہ: لَکِنَّ الْاَکْثَرَانَ نَاکُوْا الْکَیْفِیَّتَ مِنْ طَلْعِ شَمْسٍ ۝ اس آیت سے یہ مسئلہ بھی محل آیا کہ جس چیز کو شریعت اسلام نے ضروری یا عبادت نہ سمجھا ہو اس کو اپنی طرف سے ضروری اور عبادت سمجھ لینا جائز نہیں، اسی طرح جو چیز شرعاً جائز ہو اس کو گناہ سمجھنا بھی گناہ ہے، ان

لوگوں نے ایسا ہی کر رکھا تھا کہ گھر کے دروازوں سے داخل ہونا جو شرعاً جائز تھا اس کو گناہ قرار دیا، اور مکان کی پشت سے دیوار توڑ کر آنا جو شرعاً ضروری نہیں تھا اس کو ضروری سمجھا، اسی پر ان لوگوں کو تنبیہ کی گئی، بدعات کے ناجائز ہونے کی بڑی وجہ یہی ہے کہ غیر ضروری چیزوں کو فرض و واجب کی طرح ضروری سمجھ لیا جاتا ہے، یا بعض جائز چیزوں کو حرام و ناجائز قرار دیا جاتا ہے، اس آیت سے ایسا کرنے کی ممانعت واضح طور پر ثابت ہو گئی جس سے ہزاروں اعمال کا حکم معلوم ہو گیا۔

## حکم نہم جہاد و قتال

اس پر ساری امت کا اتفاق ہے کہ ہجرت مدینہ سے پہلے کفار کے ساتھ جہاد و قتال ممنوع تھا، اس وقت کی تمام آیات قرآنی میں مسلمانوں کو کفار کی ایذاؤں پر صبر اور عفو و درگزر کی ہدایت ملتی تھی، ہجرت مدینہ کے بعد سب سے پہلے اس آیت میں قتال کفار کا حکم آیا، وَقَالِیْهِجَ بَنُیْ شَیْخٍ وَغَیْرَہٗ اور صدیق اکبر سے ایک روایت یہ بھی ہو کہ قتال کفار کے متعلق پہلی آیت یہ ہے، اِذْ ذٰلَکَ یُلٰذِیْنِ یُقَاتِلُوْنَ بِاَنۡفُسِہُمۡ ظَلَمُوْا (۲۹: ۱۲۲) مگر اکثر حضرات صحابہ و تابعین کے نزدیک پہلی آیت سورۃ بقرہ کی آیت مذکورہ ہی ہو اور صدیق اکبر نے جس کو پہلی فرمایا ہے وہ بھی ابتدائی آیتوں میں ہونے کے سبب پہلی ہی جاسکتی ہے۔

اس آیت میں حکم یہ ہو کہ مسلمان صرف ان کافروں سے قتال کریں جو ان کے مقابلہ پر قتال کے لئے آویں، اس سے مراد یہ ہے کہ عورتیں، بچے، بہت بوڑھے اور اپنے مذہبی شغل میں دنیا سے یکسو ہو کر گئے ہوئے عبادت گزار راہب، پادری وغیرہ اور ایسے ہی اپاہج و معذور لوگ یا وہ لوگ جو کافروں کے یہاں محنت مزدوری کا کام کرتے ہیں ان کے ساتھ جنگ میں شریک نہیں ہوتے ایسے لوگوں کو جہاد میں قتل کرنا جائز نہیں، کیونکہ حکم آیت کا صرف ان لوگوں سے قتال کرنے کا ہے، جو مسلمانوں کے مقابلہ میں قتال کریں، اور مذکورہ قسم کے سب افراد قتال کرنے والے نہیں اس لئے فقہاء رحمہم اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر کوئی عورت یا بولہ یا مذہبی آدمی وغیرہ کفار کی طرف سے قتال میں شریک ہوں یا مسلمانوں کے بالمقابل جنگ میں ان کی مدد کسی طرح سے کر رہے ہوں ان کا قتل جائز ہے، کیونکہ وہ اَلَّذِیۡنَ یَقَاتِلُوْکُمْ فَاَکْثَرُ مِنْ دَاخِلِہِیۡں (منظہری، قرطبی، جصاص)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات جو مجاہدین اسلام کو بوقت جہاد دی جاتی تھیں، ان میں اس حکم کی واضح تشریحات مذکور ہیں، صحیح بخاری و مسلم میں ہر روایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ ایک حدیث میں ہے:



تَعْلٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ  
وَسَلَّمَ عَنْ قَتْلِ الْیَسَاءِ وَالْقَبَائِلِ

تین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں  
اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا ہے۔

اور ابو داؤد میں بروایت ابن شہابہ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ  
ہدایات منقول ہیں، تم اللہ کے نام پر اور رسول اللہ کی ملت پر جہاد کے لئے جاؤ، کسی بوڑھے ضعیف  
کو اور چھوٹے بچے کو یا کسی عورت کو قتل نہ کرو (منظری)

حضرت صدیق اکبرؓ نے جب یزید بن ابی سفیان کو ملک شام بھیجا تو ان کو یہی ہدایت دی،  
اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ عبادت گزار اور راہبوں کو اور کافروں کی مزدوری کرنے والوں کو  
بھی قتل نہ کریں، جبکہ وہ قتال میں حصہ نہ لیں (قرطبی)

آیت کے آخر میں قَلَّا تَعْتَدُوْا کا بھی جہور مفسرین کے نزدیک یہی مطلب ہے کہ  
قتال میں حد سے تجاوز نہ کرو، کہ عورتوں بچوں وغیرہ کو قتل کرنے لگو۔

وَأَقْتُلُواْ مُّہِیْمَیْنِ لَّیْقِفُوْهُمۡ وَأَخْرِجُوْهُمۡ مِّنۡ حَیْثُ أَخْرَجُوْکُمۡ۔ خلاصہ تفسیر  
میں بیان ہو چکا کہ یہ آیت واقعہ حدیبیہ کے بعد اس وقت نازل ہوئی ہے، جب صلح حدیبیہ  
کی شرط کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کے ساتھ اس عمرہ کی قضاء کے  
لئے سفر کا ارادہ کیا، جس سے اس سے پہلے سال میں کفار مکہ نے روک دیا تھا، صحابہ کرامؓ کو اس  
سفر کے وقت یہ خیال ہو رہا تھا کہ کفار کی صلح اور معاہدہ کا کچھ بھروسہ نہیں، اگر وہ لوگ اس سال  
بھی آمادہ پیکار ہو گئے تو ہمیں کیا کرنا چاہیے، اس پر آیت مذکورہ کے الفاظ نے ان کو اجازت  
دیدہ کہ اگر وہ قتال کرنے لگیں تو تمہیں بھی اجازت ہے، کہ جہاں پاؤ ان کو قتل کرو، اور اگر قدرت  
میں ہو تو جس طرح انھوں نے مسلمانوں کو مکہ مکرمہ سے نکال دیا تھا تم بھی ان کو مکہ سے نکال دو۔

اور پوری مکی زندگی میں جو مسلمانوں کو کفار کے ساتھ مقابلہ سے روکا ہوا تھا، اور ہمیشہ  
عفو و درگزر کی تلقین ہوتی رہی تھی، اس لئے صحابہ کرامؓ کو اس آیت کے نازل ہونے سے یہی  
خیال تھا کہ کسی کافر کو قتل کرنا برا اور ممنوع ہے، اس خیال کے ازالہ کے لئے فرمایا وَالْفِتْنَةُ  
اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ، یعنی یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ کسی کو قتل کرنا سخت برا کام ہے، مگر کفار مکہ کا  
اپنے کفر و شرک پر چار ہٹنا اور مسلمانوں کو ادائے عبادت حج و عمرہ سے روکنا اس سے زیادہ سخت  
و شدید ہے، اس سے بچنے کے لئے ان کو قتل کرنے کی اجازت دیدی گئی ہے، آیت میں لفظ فتنہ  
سے کفر و شرک اور مسلمانوں کو ادائے عبادت سے روکنا ہی مراد ہے (جصاص قرطبی وغیرہ)

البتہ اس آیت کے عموم سے جو یہ سمجھا جاسکتا تھا کہ کفار جہاں کہیں ہوں ان کا قتل کرنا جائز  
ہے، اس عموم کی ایک تخصیص آیت کے اگلے جملے میں اس طرح کر دی گئی وَلَا تَقْتُلُوْاْ مُّہِیْمَیْنِ

الْمُسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰی یُقْتَلُوْاْ کُفْرًا فِیْہِ، یعنی مسجد حرام کے آس پاس جس سے مراد پورا حرم مکہ ہے  
اس میں تم ان لوگوں سے اس وقت تک قتال نہ کرو جب تک وہ خود قتال کی ابتداء نہ کریں۔

مسئلہ: حرم مکہ میں انسان کیا کس شکاری جانور کو بھی قتل کرنا جائز نہیں، لیکن اس  
آیت سے معلوم ہوا کہ اگر حرم محترم میں کوئی آدمی دوسرے کو قتل کرنے لگے تو اس کو بھی ممانعت  
میں قتال کرنا جائز ہے، اس پر جہور فقہاء کا اتفاق ہے۔

مسئلہ: اسی آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ابتداء جہاد و قتال کی ممانعت صرف مسجد  
حرام کے آس پاس حرم مکہ کے ساتھ مخصوص ہے، دوسرے مقامات میں جیسے دفاعی جہاد و ضروری  
ہر اسی طرح ابتدائی جہاد و قتال بھی درست ہے۔

فَاِنْ اَنْتُمْ اَوْ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝۱۱ وَ قَتِلُوْهُمۡ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ

پھر اگر وہ باز آئیں تو بیشک اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہو، اور لاؤ ان سے یہاں تک کہ

فِتْنَتُهُ وَّ یَکُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰہِ فَاِنْ اَنْتُمْ اَوْ اَفْلَاحٌ ۝۱۲ اِلَّا عَلٰی

نہ باقی رہے فساد اور حکم ربہر خدا تعالیٰ کا پھر اگر وہ باز آئیں تو کسی پر زیادتی نہیں مگر

الظّٰلِمِیْنَ ۝۱۳ اَلشَّہْرُ الْحَرَامُ بِالشَّہْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَتُ قِصَاصٌ

ظالموں پر، حرمت والا مہینہ بدلہ (مقابلہ) حرمت والے مہینہ کے اور ادب کفر میں بدلہ ہے،

فَمَنْ اَعْتَدٰی عَلَیْکُمْ فَاَعْتَدُوْا عَلَیْہِ بِمِثْلِ مَا اَعْتَدٰی عَلَیْکُمْ

پھر جس نے تم پر زیادتی کی تم اس پر زیادتی کرو جیسی اس نے زیادتی کی تم پر

وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ مَعَ السَّاقِیْنَ ۝۱۴ وَ اَنْفِقُوْا فِی

اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان لو کہ اللہ ساتھ ہے پرہیزگاروں کے، اور خرچ کرو اللہ

سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا تَلْقَوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّہْکِیْمَةِ ۝۱۵ وَ اَحْسِنُوْا

کی راہ میں اور نہ ڈالو اپنی جان کو ہلاکت میں، اور نیکی کرو

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ۝۱۶

بیشک اللہ دوست رکھتا ہے نیکی کرنے والوں کو

خلاصہ تفسیر | پھر اگر (بعد شروع قتال کے بھی) وہ لوگ (یعنی مشرکین مکہ اپنے کفر سے) باز نہ آجائیں



اور اسلام قبول کر لیں، تو ان کا اسلام بے قدر نہ سمجھا جاوے گا بلکہ اللہ تعالیٰ ان کے گزشتہ کفر کو بخش دے گا اور مغفرت کے علاوہ بے شمار نعمتیں دے کر ان پر ہر باری رحیمی فرادے گا اور اگر وہ لوگ اسلام نہ لادیں تو اگرچہ دوسرے کفار کے لئے اسلامی قانون یہ ہے کہ وہ اپنے مذہب پر رہتے ہوئے بھی اگر اسلامی حکومت کی اطاعت اور جزیہ دینے کا اقرار کر لیں تو ان کا قتل جائز نہیں رہتا، بلکہ ان کے حقوق کی حفاظت اسلامی حکومت پر لازم ہو جاتی ہے، مگر یہ خاص کفار چونکہ اہل عرب ہیں، ان کے لئے قانون جزیہ نہیں، بلکہ ان کے لئے صرف دو راستے ہیں، اسلام یا قتل اس واسطے ان کے ساتھ اس حد تک لڑو کہ ان میں فساد عقیدہ (یعنی شرک) نہ رہے اور ان کا (دین و خالص) الشہی کا ہو جائے اور کسی کا دین و مذہب کا خالص اللہ کے لئے ہو جانا معروف ہے، قبول اسلام پر، تو حاصل یہ ہوا کہ شرک چھوڑ کر اسلام اختیار کر لیں، اور اگر وہ لوگ (کفر سے باز آجائیں جس کا ذکر ابھی ہوا بھی ہے) تو آخرت میں مغفرت و رحمت کے مستحق ہونے کے ساتھ دنیا میں ان کے لئے ستم کو یہ قانون بتلایا جاتا ہے کہ سزا کی سختی کسی پر نہیں ہو اگر لی، بجز بے انصافی کرنے والوں کے (جو براہ بے انصافی خدائی احسانات کو قبول کر کفر و شرک کرنے لگیں اور جب یہ لوگ اسلام لے آئے تو بے انصاف نہ ہے، لہذا ان پر سزائے قتل کی سختی نہ رہی اور مسلمانوں کو جو یہ خیال ہے کہ کفار مکہ اگر اپنے عہد پر قائم نہ رہے تو شہر حرام یعنی ذی قعدہ میں ان سے لڑنا پڑے گا، سو اس سے بھی بے فکر رہو، کیونکہ حرمت والاہینہ (تم کو قتال کفار سے مانع ہو سکتا ہے بعض اس کے کہ اس حرمت والے مہینہ کے سبب وہ بھی تم سے قتال نہ کریں) اور (جو یہ ہے کہ یہ حرمتیں تو عوض معاوضہ کی چیزیں ہیں (سو جو تمہارے ساتھ ان حرمتوں کی رعایت کرے تو تم بھی رعایت رکھو اور جو تم پر ایسی حرمتوں کی رعایت نہ کرے) زیادتی کرے تو تم بھی اس پر زیادتی کرو، جیسی اس نے تم پر زیادتی کی ہے اور ان سب احکام مذکورہ کے برتاؤ میں) اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو کہ کسی امر میں حد قانونی سے تجاوز نہ ہونے پادے) اور یقین کر لو کہ اللہ تعالیٰ (اپنی عنایت و رحمت سے) ان ڈرے والوں کے ساتھ ہوتے ہیں۔

**حکم دہم انفاق فی الجہاد** اور ستم لوگ (جان کے ساتھ مال بھی) خرچ کیا کرو اللہ کی راہ میں جہاد میں اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں تباہی میں مت ڈالو کہ ایسے مواقع میں جان و مال خرچ کرنے سے جبن یا بخل کرنے لگو، جس کا نتیجہ تمہارا ضعیف اور مخالف کا قوی ہو جانا ہے، جو کہ عین تباہی ہے (اور جو) کام (کرد) اچھی طرح کیا کرو (مثلاً اس فتح پر خرچ کرنا بادل کھول کر خوشی سے اچھی نیت کی گشتا خرچ کرو) بلاشبہ اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں اچھی طرح

کام کر لے والوں کو۔

## معارف مسائل

مسئلہ: جری میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے قانون کے مطابق فوت شدہ عمرہ ادا کرنے کے لئے بمعیت صحابہ مکہ کے سفر کا ارادہ کیا تو صحابہ کرام جانتے تھے کہ ان کفار کے معاہدوں اور صلح کا کچھ اعتبار نہیں ممکن ہو کہ وہ جنگ کرنے لگیں، تو اس جنگ میں صحابہ کے لئے ایک اشکال تو یہ تھا کہ حرم مکہ میں جنگ کی نوبت آئے گی، جو اسلام میں ناجائز ہو، اس کا جواب پچھل آیت میں درج کیا گیا کہ حرم مکہ کی حرمت مسلمانوں پر ضرور لازم ہے، لیکن اگر کفار حد و حرم میں ہی مسلمانوں سے جنگ کرنے لگیں تو ان کو بھی مدافعت میں جنگ کرنا جائز ہو دوسرا اشکال یہ تھا کہ یہ مہینہ ذیقعدہ کا ہے جو ان چار مہینوں میں سے ہے، جن کو اشہر حرم کہا جاتا ہے، اور ان میں کسی سے کسی جگہ جنگ کرنا جائز نہیں، تو اگر مشرکین مکہ نے ہمارے خلاف جنگ شروع کر دی تو ہم اس مہینے میں دفاعی جنگ کیسے کر سکتے ہیں، اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی، کہ جیسے حرم مکہ کی حرمت سے حالت دفاع مستثنیٰ ہے، اسی طرح اگر اشہر حرم میں کافر ہم سے قتال کرنے لگیں تو ہم کو بھی ان سے دفاعی جنگ لڑنا جائز ہے۔

مسئلہ: اشہر حرم چار مہینے ہیں، ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم یہ تین ماہ تو مسلسل ہیں، چوتھا مہینہ رجب کا ہے، اسلام سے پہلے بھی ان چار مہینوں میں جنگ کو حرام سمجھا جاتا تھا، اور مشرکین مکہ بھی اس کے پابند تھے، ابتداء اسلام میں بھی سب جری تک یہی قانون نافذ تھا، اسی لئے صحابہ کرام کو اشکال پیش آیا، اس کے بعد یہ حرمت قتال منسوخ کر کے عام قتال کی اجازت باجماع امت دیدی گئی، مگر افضل اب بھی یہی ہے کہ ان چار مہینوں میں ابتداء بالقتال نہ کی جائے، صرف مدافعت کی ضرورت سے قتال کیا جائے، اس لحاظ سے یہ کہنا بھی فی الجملہ درست ہو کہ اشہر حرم کی حرمت منسوخ نہیں باقی ہے، جیسے حرم مکہ میں قتال کی اجازت بغیر مدافعت دینے سے حرم مکہ کی حرمت منسوخ نہیں ہوئی، بلکہ صرف ایک استثنائی صورت پر عمل ہوا۔

## دسواں حکم جہاد کے لئے مال خرچ کرنا

وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ، اس میں مسلمانوں پر لازم کیا گیا ہے کہ جہاد کے لئے بقدر ضرورت اپنے اموال بھی اللہ کی راہ میں خرچ کریں، اس سے فقہاء نے یہ حکم بھی نکالا ہے کہ مسلمانوں پر زکوٰۃ فرض کے علاوہ بھی دوسرے حقوق فرض ہیں، مگر وہ نہ دیتی ہیں اور نہ ان کے لئے کوئی نصاب اور مقدار



مقین ہوا بلکہ جب اور معنی ضرورت ہو اس کا انتظام کرنا سب مسلمانوں پر فرض ہے، اور ضرورت نہ ہو تو کچھ فرض نہیں، چاہا کہ خرچ بھی اسی میں داخل ہے۔

وَلَا تُلْغُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّمَنُّكِیَّةِ كَيْ تَفْطِنُوا تَوْظَاهِرُہُمْ، کہ اپنے اختیار سے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کی ممانعت بیان فرمائی ہے، اب یہ بات کہ ہلاکت میں ڈالنے سے اس جگہ کیا مراد ہے؟ اس میں حضرات مفسرین کے اقوال مختلف ہیں، اور اتمام جصاص رازی نے فرمایا کہ ان سب اقوال میں کوئی تضاد نہیں سب ہی مراد ہو سکتے ہیں، حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے فرمایا کہ یہ آیت ہلے ہی ہائے میں نازل ہوئی ہے ہم اس کی تفسیر بخوبی جانتے ہیں، بات یہ ہو کہ جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ اور قوت عطا فرمادیا تو ہم میں یہ گفتگو ہوئی کہ اب جہاد کی کیا ضرورت ہو، ہم اپنے وطن میں پھر کر اپنے مال و جائیداد کی خبر گیری کریں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، جس نے یہ بتلادیا کہ ہلاکت سے مراد اس جگہ ترک جہاد ہے، اور اس سے ثابت ہوا کہ ترک جہاد مسلمانوں کی ہلاکت و بربادی کا سبب ہے، اسی لئے حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے عمر بھر جہاد میں صرف کر دی، یہاں تک کہ آخر میں قسطنطنیہ میں وفات پا کر وہیں مدفون ہوئے۔

حضرت عباسؓ، حذیفہؓ، قتادہؓ، مجاہدؓ، ضحاكؓ ائمہ تفسیر سے بھی یہی مضمون منقول ہے۔ حضرت براہ بن عازبؓ نے فرمایا کہ گناہوں کی وجہ سے اللہ کی رحمت اور مغفرت سے مایوس ہو جانا اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں ڈالنا ہے، اس لئے مغفرت سے مایوس ہونا حرام ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے میں حد سے تجاوز کرنا کہ بیوی بچوں کے حقوق ضائع ہو جائیں، یہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے، ایسا اسراف جائز نہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ ایسی صورت میں قتال کے لئے اقدام کرنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے، جبکہ یہ اندازہ ظاہر ہے کہ دشمن کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے، خود ہلاک ہو جائیں گے، ایسی صورت میں اقدام قتال اس آیت کی بناء پر ناجائز ہے۔

اور جصاصؒ کے فرمانے کے مطابق یہ سب ہی احکام اس آیت سے مستفاد ہوتے ہیں: **وَأَخِیْضُوا إِلَى اللَّهِ یَحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ**۔ اس جملے میں ہر کام کو اچھی طرح کرنے کی ترغیب ہے، اور کام کو اچھی طرح کرنا جس کو قرآن میں احسان کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، و در طرح کا ہے، ایک عبادت میں دوسرے آپس کے معاملات و معاشرت میں، عبارت میں احسان کی تفسیر حدیث جبریلؑ میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی ہے کہ ایسی طرح عبادت کر دیجیے تم خدا کو دیکھ رہے ہو، اور اگر یہ درجہ حاصل نہ ہو تو کم از کم یہ تو اعتقاد لازم ہے

ہو کہ خدا تعالیٰ تمہیں دیکھ رہے ہیں۔

اور معاملات و معاشرت میں احسان کی تفسیر مسند احمد میں بروایت حضرت معاذؓ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی ہے کہ تم سب لوگوں کے لئے وہی پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو اور جس چیز کو تم اپنے لئے برا سمجھتے ہو وہ دوسروں کے لئے بھی برا سمجھو۔ (منظہری)

**وَاتِمُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ**

اور پورا کرو حج اور عمرہ اللہ کے واسطے پھر اگر تم روک دیے جاؤ تو تم پر ہے جو کچھ کہ میسر ہو

**الْهُدًى وَلَا تَحْلِفُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحَلَّهُ فَمَنْ**

سربانی سے اور حجامت نہ کرو اپنے سروں کی جب تک نہ پہنچ سکے قربانی ابو تمھارے پر پھر ہو

**كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِّن رَّأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِّن صِيَامٍ**

کوئی تم میں سے بیمار ہو یا اس کو تکلیف ہو سر کی تو بدلہ دیوے روزے یا خیرات

**أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ فَإِذَا أُمِلَّتْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ لِي**

یا سربانی، پھر جب تمہاری خاطر جمع ہو تو جو کوئی فائدہ اٹھاوے عمرہ ملا کر

**الْحَجَّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهُدًى فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ**

حج کے ساتھ تو اس پر ہے جو کچھ میسر ہو سربانی سے پھر جس کو قربانی نہ ملے تو روزے رکھے تین

**أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ يَلَاكْ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ لِّذَلِكَ**

حج کے دنوں میں اور سات روزے جب لوگوں یہ دس روزے ہوئے پورے، یہ حکم

**لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ أَهْلَهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَ**

اس کے لئے ہے جس کے گھر والے نہ رہتے ہوں مسجد الحرام کے پاس اور ڈرتے رہو اللہ سے اور

**اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ الْحَجَّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَاتٌ ۝**

جان لو کہ بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے، حج کے چند مہینے ہیں معلوم،

**فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي**

پھر جس شخص نے لازم کر لیا ان میں حج تو بے عجب ہو جائز نہیں عورت اور دگناہ کرنا اور نہ جھگڑا کرنا



الْحَيِّجَّ وَمَا تَفَعَّلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمُهُ اللَّهُ وَتَزُودُوا فَإِنْ خَيْرَ

حج کے زمانے میں اور جو کچھ تم کرتے ہو نیکی اللہ اس کو جانتا ہے اور زاد راہ لے لیا کرو کہ بیشک بہتر

الزَّادِ الْقَوِيُّ وَاتَّقُوا يَا دُولِيَ الْأَلْبَابِ ۝ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ

فانہ زاد راہ کا پھنا ہر سوال سے اور حج سے ڈرتے رہو اے عقلمند! کچھ گناہ نہیں تم پر کہ

أَنْ تَبْتَغُوا أَفْضَلًا مِنْ رَبِّكُمْ فَإِذَا أَفَضْتُمْ مِنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا

تلاش کرو فضل اپنے رب کا پھر جب طواف کے لئے لوٹو عرفات سے تو یاد کرو

اللَّهِ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۝ وَادْكُرُوا هَذَا نِعْمَةً مِنْكُمْ وَإِنْ كُنْتُمْ

اللہ کو نزدیک مشعر الحرام کے اور اس کو یاد کرو جس طرح تم کو سکھایا اور بیشک تم تھے

مِنْ قَبْلِهِ لَيْسَ الضَّالِّينَ ۝ ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ

اس سے پہلے ضالین ، پھر طواف کے لئے پھر جہاں سے سب لوگ پھریں ،

وَأَسْتَغْفِرُوا لِلَّهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ فَإِذَا أَقْضَيْتُمْ

اور مغفرت چاہو اللہ سے بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے ہر بان ، پھر جب پوئے کر چکو

مَنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ وَاشْدُّ ذِكْرَهُ

اپنے حج کے کام کو یاد کرو اللہ کو جیسے تم یاد کرتے تھے اپنے باپ دادوں کو بلکہ اس سے بھی زیادہ یاد کرو

فَإِنَّ النَّاسَ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ

پھر کوئی آدمی تو کہتا ہے اے رب ہمارے دے ہم کو دنیا میں اور اس کے لئے آخرت میں کچھ

مِنْ خَلْقٍ ۝ وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً

حصہ نہیں ، اور کوئی ان میں کہتا ہے اے رب ہمارے دے ہم کو دنیا میں خیر اور

وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ أُولَٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ

آخرت میں خیر اور بچاؤ ہم کو دوزخ کے عذاب سے ، انہی لوگوں کے واسطے حصہ ہے

مِمَّا كَسَبُوا ۝ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝ وَادْكُرُوا اللَّهَ فِي آيَاتِهِ

اپنی کامیابی سے اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے ، اور یاد کرو اللہ کو گفتی کے چند

مَعْدُودَاتٍ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا أَثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَأَخَّرَ

دنوں میں پھر جو کوئی جلدی چلا گیا دوسری دن میں تو اس پر گناہ نہیں اور جو کوئی رو گیا

فَلَا أَثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ إِلَيْهِ

تو اس پر بھی کچھ گناہ نہیں جو کہ ڈرتا ہو اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جانی لو بیشک تم سب

تُحْشَرُونَ ۝

اسی کے پاس جمع ہو گے۔

خلاصہ تفسیر

گیارہواں حکم متعلق حج و عمرہ

اور رجب حج یا عمرہ کرنا ہو تو اس رجب اور عمرہ کو اللہ تعالیٰ کے راضی کرنے کے واسطے

پورا پورا ادائیگی کر دو کہ اعمال و آداب بھی سب بجا لاؤ اور نیت بھی خالص ثواب ہی کی ہو پھر

اگر کسی دشمن کی جانب سے یا کسی مرض کے سبب سے حج و عمرہ کے پورا کرنے سے روک دیا جائے

تو اس حالت میں یہ حکم ہے کہ قربانی کا جانور جو کچھ میسر ہو ذبح کرے اور حج و عمرہ کی جو وضع

اختیار کر رکھی تھی موقوف کرے اس کو احرام کھولنا کہتے ہیں جس کا طریقہ مشروع میں سر منڈانی

ہو ، اور بال کشا دینے کا بھی یہی اثر ہے اور یہ نہیں کہ فوراً رک ٹوک کے ساتھ ہی تم کو احرام

کھولنا درست ہو جائے ، بلکہ اپنے سروں کو احرام کھولنے کی غرض سے ، اس وقت تک مت

منڈاؤ جب تک کہ (وہ) قربانی کا جانور جس کے ذبح کا اس حالت میں حکم تھا ، اپنے موقع

پر نہ پہنچ جائے اور وہ موقع حرم ہے کہ اس قربانی کا جانور عدد و حرم ہی میں ذبح کیا جاسکتا ہو

وہاں اگر خود نہ جاسکے ، تو کسی کے ہاتھ بھیج کر ذبح کرایا جائے جب جانور ذبح ہو جائے اس وقت

احرام کھولنا جائز ہوگا البتہ اگر کوئی تم میں سے رکھے ، بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ زخم یا درد

یا جوڑوں وغیرہ کی تکلیف ہو اور اس بیماری یا تکلیف کی وجہ سے پہلے ہی سر منڈانے کی ضرورت

پڑے (تو اس کو اجازت ہو کہ وہ سر منڈا کر) فدیہ (یعنی اس کا شرعی بدلہ) دیدے (یعنی خواہ مخواہ)

دونوں سے یا رچھ مسکینوں کو فی مسکین صدقہ فطر کے برابر یعنی نصف صاع گیہوں (غیر است

ر کے طور پر) دیدینے سے یا (ایک بکری) ذبح کر دینے سے پھر جب تم امن کی حالت میں ہو (خواہ

نہ پہلے ہی سے کوئی خوف و مزاحمت پیش نہیں آیا ، یا ہو کر جاندار) تو اس صورت میں حج و عمرہ



کے متعلق قربانی کرنا ہر ایک کے ذمہ نہیں ہو بلکہ خاص (جو شخص عمروے اس کو حج کے ساتھ ملا کر مفتوح ہوا) یعنی ایام حج میں عمرو بھی کیا ہو) تو فقط اس پر واجب ہے کہ جو کچھ قربانی میسر ہو (ذبح کرے اور جس نے صرف عمرو کیا ہو یا صرف حج کیا ہو اس پر حج یا عمرو کے متعلق کوئی قربانی نہیں) پھر (ایام حج میں حج و عمرو کو جمع کرنے والوں میں سے) جس شخص کو قربانی کا جانور میسر نہ ہو (مثلاً غریب ہے) تو اس کے ذمہ بجائے قربانی کے (تین دن کے روزے ہیں (ایام) حج میں رکنا آخر ان ایام کا نویں تاریخ ذی الحجہ ہے) اور سات (دن کے روزے) ہیں جبکہ حج سے تمھارے لوٹنے کا وقت آجائے (یعنی حج کر چکے ہو یا لوٹنا ہو یا کہ وہیں رہنا ہو) یہ پورے دس (دن کے روزے) ہو گے (اور یہ بھی یاد رکھو کہ ابھی حج و عمرو کے ملانے کا حکم ہوا ہے) یہ (ملانا ہر ایک کو درست نہیں) بلکہ خاص (اس شخص کے لئے (درست) ہے جس کے اہل (و عیال) مسجد حرام (یعنی کعبہ) کے قرب (نواح) میں نہ رہتے ہوں یعنی حدود حرم مکہ میں ان کا وطن نہ ہو) اور ان سب احکام کی بجا آوری میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو کہ کسی امر میں خلافت نہ ہو جائے) اور (خوب) جان لو کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ریبا کی اور مخالفت کرنے والوں کو سزائے سخت دیتے ہیں۔

(زمانہ افعال) حج و کما (چند مہینے ہیں جو مشہور) معلوم ہیں (ایک مثال) و سر ازی تعدہ (تیسرا دس تاریخیں ذی الحجہ) سو جو شخص ان (ایام) میں (اپنے ذمہ) حج مقرر کر لے (کہ حج کا احرام باندھ لے) تو پھر (اس شخص کو) نہ کوئی غش بات (جائز ہے اور نہ کوئی بے حکمی (درست) ہے) اور نہ کسی قسم کا نزاع (و تکرار) زیبا ہے، بلکہ اس کو چاہئے کہ ہر وقت نیک ہی کاموں میں لگائے) اور جو نیک کام کرو گے خدا تعالیٰ کو اس کی اطلاع ہوتی ہے (سو اس کا ثمرہ تم کو عنایت ہوگا) اور جب حج کو جانے لگو تو (خرج ضرور (ساتھ) لے لیا کرو، سب سے بڑی بات (اور خوبی) خرج میں رگداری (سے) بچا رہنا ہے اور اے ذی عقل لوگو! ان احکام کی تعمیل میں) مجھ سے ڈرتے رہو (اور کسی حکم کے خلاف مت کرو)۔

(اور اگر حج میں کچھ اسباب تجارت ہر اہل بھانا مصلحت بھوتو) تم کو اس میں ذرا بھی گناہ نہیں کہ (حج میں) معاش کی تلاش کرو جو (تمھاری قسمت میں) تمھارے پروردگار کی طرف سے (دھی) ہے، پھر جب تم لوگ عرفات میں ٹھہر کر وہاں سے واپس گئے لگو تو مشعر حرام کے پاس (یعنی مزدلفہ میں) اگر شب کو وہاں قیام کر کے (خدا تعالیٰ کی یاد کرو اور یاد کرنے کے طریقہ میں اپنی رائے کو دخل مت دو، بلکہ اس طرح یاد کرو جس طرح تم کو (اللہ تعالیٰ نے) بتلا رکھا ہے، اور حقیقت میں قبل اس (بتلانے) کے تم محض ہی نادانقت تھے، پھر اس میں اور بھی بات یاد رکھو کہ جیسا قریش نے دستور نکال رکھا تھا کہ تمام حجاج تو عرفات میں ہو کر پھر وہاں سے مزدلفہ کو آتے تھے اور یہ مزدلفہ ہی

میں رہ جاتے تھے، عرفات نہ جاتے تھے، یہ جائز نہیں، بلکہ) تم سب کو (خواہ قریش ہوں یا غیر قریش) ضروری ہے کہ اسی جگہ ہو کر واپس آؤ، جہاں اور لوگ جا کر وہاں سے واپس آتے ہیں اور (احکام) حج میں قربانی رسوں پر عمل کرنے سے (خدا تعالیٰ کے سامنے توبہ کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا) اور ہر بانی فرمادیں گے۔

(جاہلیت میں بعضوں کی توبہ عادت تھی کہ حج سے فایض ہو کر منیٰ میں جمع ہو کر اپنے آباء و اجداد کے مفارقت و فضاہل بیان کیا کرتے، حق تعالیٰ بجائے اس بیہودہ شغل کے اپنے ذکر کی تعلیم کے لئے فرماتے ہیں کہ) پھر جب تم اپنے اعمال حج پر سے کر چکا کرو تو حق تعالیٰ کا (شکر و عظمت کے ساتھ) ذکر کیا کرو جس طرح تم اپنے آباء (و اجداد) کا ذکر کیا کرتے ہو بلکہ یہ ذکر اس سے (بہتر) ہے (جہاں) بڑھ کر ہو (نا چاہئے اور بعضوں کی عادت تھی کہ حج میں ذکر تو اللہ تعالیٰ ہی کا کرتے تھے لیکن چونکہ آخرت کے قائل نہ تھے، لہذا تسمیٰ ذکر ان کا صرف دنیا کے لئے دماغ مانگنا ہوتا تھا، حق تعالیٰ صرف دنیا طلبی کی مذمت بیان فرما کر بجائے اس کے خیر دارین طلب کرنے کی ترغیب دینے کے لئے فرماتے ہیں) سو بعض آدمی (جو کہ کافر ہیں) ایسے ہیں جو (دعا میں یوں) کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو (جو کچھ دینا ہو) دنیا میں دیدیجئے (و بس) سو ان کو جو کچھ ملنا ہو گا دنیا ہی میں مل رہے گا، اور ایسے شخص کو آخرت میں (بوجہ انکار آخرت کے) کوئی حصہ نہ ملے گا، اور بعض آدمی (جو کہ مومن ہیں) ایسے ہیں جو (دعا میں یوں) کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو دنیا میں بھی بہتری عنایت کیجئے، اور آخرت میں بھی بہتری دیدیجئے، اور ہم کو عذاب و دوزخ سے بچائیے (سو یہ لوگ ادھر کے لوگوں کی طرح بے بہرہ نہیں بلکہ) ایسے لوگوں کو (دو دنوں جہان میں) بڑا حصہ ملے گا، بدولت ان کے اس عمل (یعنی طلب خیر دارین) کے اور اللہ تعالیٰ جلدی ہی حساب لینے والے ہیں (کیونکہ قیامت میں حساب ہوگا، اور قیامت نزدیک آتی جاتی ہے، جب حساب جلدی ہونے والا ہے تو وہاں کی بہتری کو مت بھولو) اور (منیٰ میں خاص طریقہ سے بھی) اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو، کئی روز تک (وہ خاص طریقہ کنکریوں کا خاص بین پتھروں پر مارنا ہے، اور وہ کئی روز و سوس گیارہویں تاریخ ذی الحجہ کی ہیں، یا تیرہویں بھی کہ ان میں کنکریاں ماری جاتی ہیں) پھر جو شخص کنکریاں مار کر سوس یا پانچ کے بعد (دو دن میں) مکہ واپس آنے میں (تجیل کرے اس پر بھی کچھ گناہ نہیں اور جو شخص (ان) (دو دن میں) واپس مکہ میں) تاخیر کرے (یعنی بارہویں کو نہ آئے، بلکہ تیرہویں کو آؤ) اس پر بھی کچھ گناہ نہیں (اور یہ سب باتیں) اس شخص کے واسطے (ہیں) جو (خدا سے) ڈرے (اور نہ ڈرنے والے کو گناہ ثواب ہی سے غرض نہیں) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور خوب یقین رکھو کہ تم سب کو خدا ہی کے پاس جمع ہونا ہے۔







نہیں ہی مگر حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب بن عجرہ صحابی کی ایسی ہی حالت میں یہ فرمایا کہ تین روزے رکھیں یا چھ مسکینوں کو آدھا صاع گندم کا بطور صدقہ دیدیں (صحیح بخاری) آدھا صاع ہمارے انٹی تولہ کے سیر کے حساب سے تقریباً پونے دو سیر گندم ہوتے ہیں، اُن کی قیمت صدقہ کر دینا بھی کافی ہے۔

حج کے مہینوں میں حج و عمرہ کو اسلام سے پہلے عربی جاہلیت کا خیال تھا کہ جب حج کے مہینے شروع ہو جائیں یعنی ماہ شوال شروع ہو جائے تو ان ایام میں حج و عمرہ کا جمع کرنا سخت گناہ ہے، اس آیت کے آخری حصے میں ان کے اس خیال کی اصلاح اس طرح کر دی گئی کہ حدیث میقات کے اندر رہنے والوں کے لئے تو حج و عمرہ دونوں کو اشہر حج میں جمع کرنا ممنوع رکھا گیا، کیونکہ ان کو اشہر حج کے دوبارہ عمرہ کے لئے سفر کرنا مشکل نہیں، لیکن حدیث میقات کے باہر سے آنے والوں کے لئے جمع کرنے کو جائز قرار دیا، کہ دور دراز سے عمرہ کے لئے مستقل سفر کرنا ان کے لئے آسان نہیں میقات وہ مہین مقامات ہیں جو اطراف عالم سے مکہ میں آنے والوں کے ہر راستہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین ہیں کہ جب بقصد مکہ آنے والا مسافر یہاں پہنچے تو یہاں سے حج یا عمرہ کی نیت سے احرام باندھنا لازم ہے بغیر احرام کے یہاں سے لگے بڑھنا جرم و گناہ ہے، **وَمَنْ لَّمْ يَكُنْ أَهْلَهُ حَاضِرًا** التَّحْجُّ لِحَرَامٍ کا یہی مفہوم ہے، کہ جس شخص کے اہل و عیال مسجد حرام کے قرب و جوار یعنی حدود میقات کے اندر نہیں رہتے، مقصد یہ ہے کہ اس کا وطن حدود میقات کے اندر نہیں ہے اس کیلئے حج و عمرہ کو اشہر حج میں جمع کرنا جائز ہے۔

البتہ جو لوگ حج و عمرہ کو اشہر حج میں جمع کریں اُن پر واجب ہے کہ دونوں عبادتوں کو جمع کرنے کا شکرانہ ادا کریں وہ یہ کہ جس کو قربانی دینے کی قدرت ہو وہ ایک قربانی دے، بکری، گائے، اونٹ جو اس کے لئے آسان ہو، لیکن جس شخص کی مالی حیثیت قربانی ادا کرنے کے قابل نہیں اس پر دس روزے اس طرح واجب ہیں کہ تین روزے تو ایام حج کے اندر ہی رکھے یعنی نویں ذی الحجہ تک پورے کر دے، باقی سات روزے حج سے فارغ ہو کر جہاں چاہے اور جب چاہے رکھے، وہیں مکہ مکرمہ میں رہ کر پورے کرے یا گھر واپس آکر، اختیار ہے، اگر کوئی شخص تین روزے ایام حج میں نہ رکھ سکا تو پھر ایام ابو حنیفہ اور اکابر صحابہ کے نزدیک اس کے لئے قربانی کرنا ہی متعین ہے، جب قدرت ہو کسی کے ذریعہ حرم میں قربانی کرائے (جصاص)

**تمتع و تران** اشہر حج میں حج کے ساتھ عمرہ کو جمع کرنے کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ میقات سے ہی حج اور عمرہ دونوں کا احرام ایک ساتھ باندھ لے اس کو اصطلاح حدیث میں قرآن کہا گیا ہے اس کا احرام حج کے احرام کے ساتھ کھلتا ہے، آخر ایام

حج تک اس کو احرام ہی کی حالت میں رہنا پڑتا ہے، دوسرے یہ کہ میقات سے صرف عمرہ کا احرام باندھ اور مکہ مکرمہ پہنچ کر عمرہ کے افعال ادا کر کے احرام کھول دے، پھر آٹھویں تاریخ ذی الحجہ کو منیٰ جانے کے وقت حج کا احرام حرم شریف کے اندر ہی باندھ لے، اس کو اصطلاح میں تمتع کہا جاتا ہے، اور لغتی معنی کے اعتبار سے لفظ تمتع دونوں صورتوں پر حاوی ہے، کیونکہ اس کے معنی ہیں حج و عمرہ کو جمع کر کے نفع اٹھانا اور وہ دونوں صورتوں میں برابر ہے، قرآن کی آیت مذکورہ میں **فَمَنْ تَمَتَّعَ** اسی عام معنی میں ہے۔

احکام حج و عمرہ میں خلاف ورزی آخر آیت میں اذل تقویٰ اختیار کر لے کا حکم دیا جس کے معنی ہیں اور کوتاہی موجب عذاب ہے اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی سے ڈرنے اور بچنے کے، اس کے بعد فرمایا: **وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ**، یعنی جو شخص جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرتا ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت ہے، آجکل حج و عمرہ کو جانے والے بکثرت اس سے غافل ہیں، اذل تو حج و عمرہ کے احکام معلوم کرنے ہی کی پوری کوشش نہیں کرتے، پھر معلوم بھی ہو تو بکثرت ان کے مطابق عمل نہیں کرتے، غلط کاموں اور ساختیوں کی بے پروائی سے بہت سے واجبات تک چھوٹ جاتے ہیں، اور آداب و سنن کا تو کہنا کیا، اللہ تعالیٰ سب کو اصلاح عمل کی توفیق عطا فرمادیں۔

احکام حج کی آئمہ آیتوں میں سے **الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَاتٍ**، اشہر اشہر کی جمع ہے جس کے معنی ہیں دوسری آیت اور اس کے مسائل مہینہ، پچھلی آیت میں بتلایا گیا تھا کہ جو کوئی حج یا عمرہ کا احرام باندھ لے، تو اس پر لازم آتا ہے کہ اس کے احکام پورے ادا کرے، ان دونوں میں عمرہ کے لئے تو کوئی تاریخ اور مہینہ معین نہیں، سال بھر میں جب چاہیں کر سکتے ہیں، لیکن حج کے لئے مہینے اور اس کے افعال و اعمال کے لئے خاص تاریخیں اور اوقات مقرر ہیں، اس لئے اس آیت کے شروع میں یہ بتلادیا کہ حج کا معاملہ عمرہ کی طرح نہیں ہے، اس کے لئے کچھ مہینے مقرر ہیں، جو معروف و مشہور ہیں، جاہلیت عرب کے لیکر زمانہ اسلام تک یہی مہینے حج کے مقرر رہے ہیں، وہ مہینے شوال ذیقعدہ اور دس روز ذی الحجہ کے ہیں، جیسا کہ حدیث میں بروایت ابوامامہ و ابن عمر منقول ہے (منظری) شوال سے حج کے مہینے شروع ہونے کا حاصل یہ ہے کہ اس سے پہلے حج کا احرام باندھنا جائز نہیں، بعض ائمہ کے نزدیک تو قبل شوال کے احرام سے حج کی ادائیگی ہی نہیں ہو سکتی، امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک اس احرام سے حج تو ادا ہو جائے گا مگر مکروہ ہوگا (منظری)

**فَمَنْ تَمَتَّعَ** فلا تَرَکَ وَلَا تَسُوِّیْ وَلَا تَجِدْ اِلٰی فِی الْحَجِّ، اس میں حج کا احرام باندھنے والے کے لئے کچھ منفی آداب و احکام کا بیان ہے، جن سے حالت احرام میں



پرہیز کرنا لازم و واجب ہو، وہ تین چیزیں ہیں: رفت، فسق، جدال۔

رفت ایک لفظ جامع ہے جس میں عورت سے مباشرت اور اس کے مقدمات یہاں تک کہ زبان سے عورت کے ساتھ اس کی کھل گفتگو بھی داخل ہے، محرم کو حالت احرام میں یہ سب چیزیں حرام ہیں، تعریض و کنایہ کا مضائقہ نہیں۔

فسق کے لفظی معنی خروج کے ہیں، اصطلاح قرآن میں عدول بھی اور ناسرمانی کو فسق کہا جاتا ہے، جو اپنے عام معنی کے اعتبار سے سب گناہوں کو شامل ہے، اسی لئے بعض حضرات نے اس جگہ عام معنی ہی مراد لئے ہیں، مگر حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس جگہ فسق کی تفسیر مخطورات احرام سے فرمائی ہے، یعنی وہ کام جو حالت احرام میں ممنوع و ناجائز ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ اس مقام کے مناسب یہی تفسیر ہے، کیونکہ عام گناہوں کی مانعت احرام کے ساتھ خاص نہیں ہر حال میں حرام ہیں۔

وہ چیزیں جو اصل سے گناہ نہیں مگر احرام کی وجہ سے ناجائز ہو جاتی ہیں چھ چیزیں ہیں: اول عورت کے ساتھ مباشرت اور اس کے تمام متعلقات یہاں تک کہ کھلی گفتگو بھی، دوسرے بڑی جانوروں کا شکار، خود کرنا یا شکاری کو بتلانا، تیسرے بال یا ناخن کٹوانا، چوتھے خوشبو کا استعمال یہ چار چیزیں تو مرد و عورت دونوں کے لئے حالت احرام میں ناجائز ہیں، باقی دو چیزیں مردوں کے ساتھ خاص ہیں، یعنی بے ہوش پڑے پہننا، اور سر اور چہرے کو ڈھانپنا، امام اعظم ابوحنیفہؒ و مالکؒ کے نزدیک چہرہ کو ڈھانپنا حالت احرام میں عورت کے لئے بھی ناجائز ہے، اس لئے یہ بھی مشترک مخطورات احرام میں شامل ہے۔

ان چھ چیزوں میں پہلی یعنی عورت سے مباشرت وغیرہ، اگرچہ فسق میں داخل ہے لیکن اس کو فسق سے پہلے الگ کر کے لفظ رفت سے اس لئے بتلادیا کہ احرام میں اس سے اجتناب سب سے زیادہ اہم ہے، کیونکہ دوسرے مخطورات احرام کا تو کوئی بدل اور کفارہ بھی ہو جاتا ہے، اور مباشرت کی بعض صورتیں ایسی بھی ہیں کہ اگر ان میں کوئی مسبب ہو جائے تو حج ہی فاسد ہو جاتا ہے اس کا کوئی کفارہ بھی نہیں ہو سکتا، مثلاً وقوف عرفات سے پہلے بی بی سے صحبت کر لی، تو حج فاسد ہو گیا، اور اس کا جبرانہ بھی گھاسے یا اونٹ کی قربانی سے دینا پڑے گا، اور اگلے سال پھر حج کرنا پڑے گا، اس مزید اہمیت کی بنا پر اس کو خلافتِ ذی کے لفظ سے مستقلاً بیان فرمادیا۔

جدال کے معنی ایک دوسرے کو پھاڑنے کی کوشش کے ہیں، اس لئے سخت قسم کے جھگڑے کو جدال کہا جاتا ہے، یہ لفظ بھی بہت عام ہے، اور بعض حضرات مفسرین نے عام ہی معنی مراد لئے ہیں، اور بعض حضرات نے مقام حج و احرام کی مناسبت سے اس جگہ جدال کے معنی یہ

لئے ہیں، کہ جاہلیت عرب کے لوگ مقام وقوف میں اختلاف رکھتے تھے، کچھ لوگ عرفات میں وقوف کرنا ضروری سمجھتے تھے جیسا کہ حقیقت ہے، اور کچھ مزدلفہ میں وقوف ضروری کہتے تھے، عرفات میں جانے کو ضروری نہیں سمجھتے تھے، اور اسی کو موقع ابراہیم علیہ السلام قرار دیتے تھے، اسی طرح اوقات حج کے معاملہ میں بھی اختلاف تھا، کچھ لوگ ذی الحجہ میں حج کرتے تھے، اور کچھ ذیقعدہ ہی میں کر لیتے تھے، اور پھر ان معاملات میں باہمی نزاعات اور جھگڑے ہوتے تھے، ایک دوسرے کو گمراہ کہتا تھا، قرآن کریم نے لآجذی الیٰ فرما کر ان جھگڑوں کا خاتمہ فرمایا، اور جو بات حق تھی کہ وقوف فرض عرفات میں اور پھر وقوف واجب مزدلفہ میں کیا جائے، اور حج صرف ذی الحجہ کے ایام میں کیا جائے، اس کا اعلان کر کے اس کے خلاف جھگڑا کرنے کو ممنوع کر دیا۔

اس تفسیر و تقریر کے لحاظ سے اس آیت میں صرف مخطورات احرام کا بیان ہوا جو اگرچہ فی نفسہ جائز ہیں، مگر احرام کی وجہ سے ممنوع کر دی گئی ہیں، جیسے نماز روزہ کی حالت میں کھانا پینا، کلام کرنا وغیرہ جائز چیزیں کہ منع کر دی گئیاں ہیں۔

اور بعض حضرات نے اس جگہ فسق و جدال کو عام معنی میں لیکر مقصد یہ بتلادیا کہ اگرچہ فسق و گناہ اسی طرح باہم جدال و غلات ہر جگہ ہر حال میں مذموم و گناہ ہے، لیکن حالت احرام میں اس کا گناہ اور زیادہ شدید ہو جاتا ہے، مبارک ایام اور مقدس سرزمین میں جہاں صرف اللہ کے لئے عبادت کے واسطے آتے ہیں، اور لبتیک لبیک پکار رہے ہیں، احرام کا لباس ان کو ہر وقت اس کی یاد دہانی کر رہا ہے کہ تم اس وقت عبادت میں ہو، ایسی حالت میں فسق و فجور اور نزاع و جدال انتہائی پیاکی اور اسشد ترین گناہ ہو جاتا ہے۔

اس عام معنی کے اعتبار سے اس جگہ رفت، فسق، جدال سے روکنے اور ان کی حرمت کو بیان کرنے میں ایک حکمت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ مقام حج اور زمانہ حج کے حالات ایسے ہیں کہ ان میں انسان کو ان تینوں چیزوں میں ابتلا کے مواقع بہت پیش آتے ہیں، حالت احرام میں اکثر اپنے اہل و عیال سے ایک طویل مدت تک علیحدہ رہنا پڑتا ہے، اور پھر مطاف و منیٰ، عرفات، مزدلفہ منیٰ کے اجتماعات میں کتنی بھی احتیاط برتی جائے عورتوں مردوں کا اختلاط ہو ہی جاتا ہے، ایسی حالت میں نفس پر قابو پانا آسان نہیں، اس لئے سب سے پہلے رفت کی حرمت کا بیان فرمادیا، اسی طرح اس عظیم الشان اجتماع میں چوری وغیرہ دوسرے گناہوں کے مواقع بھی بے شمار پیش آتے ہیں، اس لئے لآفسوق کی ہدایت فرمادی، اسی طرح سفر حج میں اول سے آخر تک بے شمار مواقع اس کے بھی پیش آتے ہیں کہ رفقاء سفر اور دوسرے لوگوں سے جگہ کی تنگی اور دوسرے اسباب کی بنا پر جھگڑا والی ہو جائے، اس لئے لآجذی الیٰ کا حکم دیا گیا۔



بلاغتِ قرآن

**بلاغتِ قرآن** اس آیت **فَلَا تَكُن مِّنَ الْفَاسِقِينَ** کے الفاظ نفی کے الفاظ ہیں کہ یہ سب چیزیں حج میں نہیں ہیں، حالانکہ مقصود ان چیزوں سے ہنی اور مانعت کرنا ہے، جس کا مقتضی یہ تھا کہ **لَا تَرْفُثُوا وَلَا تَفْسُقُوا** اور **لَا تَعْبُدُوا** کہا جاتا، مگر یہاں نفی کی جگہ نفی کے الفاظ رکھ کر اس طرف اشارہ فرمادیا کہ ان افعال کی حج میں کوئی گنجائش اور تصویر نہیں۔  
**وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللَّهُ**۔ محظورات و ممنوعات احرام بیان فرمانے کے بعد آخر میں اس جملے میں یہ ہدایت دی گئی کہ حج کے مبارک ایام اور مقدس مقامات میں تو صرف یہ نہیں کہ محظورات اور گناہوں سے بچو، بلکہ غلیمت جان کر عبادت و ذکر اللہ اور نیک کاموں میں لگے رہو، تم جو بھی نیک کام کرو گے وہ اللہ کے علم میں ہو اور تمہیں اس پر بڑے انعامات ملیں گے۔

وَتَوَرَّعُوا فَإِن كَيْفَ الزَّادِ النَّفْثَى۔ اس میں ان لوگوں کی اصلاح ہے جو حج و عمرہ کے لئے بے سروسامانی کے ساتھ تکل کھڑے ہوتے ہیں، اور دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ ہم اللہ پر توکل کرتے ہیں، پھر راستہ میں بھیک مانگنا پڑتی ہے، یا خود بھی تکلیف اٹھاتے ہیں اور دوسروں کو بھی پریشان کرتے ہیں، اُن کی ہدایت کے لئے حکم ہوا کہ سفر حج کے لئے ضروریات سفر ساتھ لینا چاہئے، یہ توکل کے منافی نہیں، بلکہ توکل کی حقیقت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے اسباب و وسائل کو اپنے معتمد درجہ کے مطابق حاصل اور جمع کرے، پھر اللہ پر توکل کرے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے توکل کی یہی تفسیر منقول ہے بالکل ترک اسباب کا نام توکل رکھنا جرات ہے۔

سفر حج میں تجارت یا مزدوری کرنا کیسا ہر  
 لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِمَّنْ ذَرِبَكُمْ، یعنی تم پر اس میں کوئی  
 گناہ نہیں کہ تم سفر حج میں تجارت یا مزدوری کے ذریعے کچھ رزق کما لو اور  
 اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا رزق حاصل کرو» واقعہ نزول اس آیت کا یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں اہل عرب نے  
 جس طرح تمام عبادات و معاملات کو منح کر کے طرح طرح کی بیہودہ رسمیں ان میں شامل  
 کر دی تھیں، اور عبادات کو بھی کھیل تماشہ بنا دیا تھا، اسی طرح افعال حج میں بھی طرح طرح کی  
 بیہودگیاں کرتے تھے، منی کے عظیم اجتماع میں ان کے خاص خاص بازار لگتے تھے، سناٹاں ہوتی تھیں،  
 تجارتوں کے فروغ کے ذرائع لگائے جاتے تھے، اسلام آیا، اور حج مسلمانوں پر فرض کیا گیا تو  
 ان تمام بیہودہ رسموں کا قلع قمع کیا گیا، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو اللہ تعالیٰ کی رضا اور  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر مٹ جانے والے تھے، اب ان کو یہ خیال ہوا کہ ایام  
 حج میں تجارت کرنا یا مزدوری کر کے کچھ کما لینا یہ بھی جاہلیت کی پیداوار ہے، شاید اسلام میں  
 اس کی مطلقاً حرمت و مانعت ہو جائے، یہاں تک کہ ایک صاحب حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے

پاس آئے، اور یہ سوال کیا کہ ہمارا پیشہ پہلے سے یہ ہے کہ ہم اونٹ کرایہ پر چلاتے ہیں، کچھ لوگ ہمارے اونٹ جج کے لئے کرایہ پر لیجاتے ہیں۔ ہم اُن کے ساتھ جاتے ہیں اور جج کرتے ہیں، کیا ہمارا جج نہیں ہوگا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا، اور آپؐ وہی سوال کیا تھا، جو تم مجھ سے کر رہو ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اس وقت کوئی جواب نہ دیا، یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی: لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا أَجْزَلًا مِنْ بَيْعِكُمْ، اُس وقت آپؐ نے اس شخص کو بلوایا اور فرمایا کہ ہاں تمہارا جج صحیح ہے۔

الغرض اس آیت نے یہ واضح کر دیا کہ اگر کوئی شخص دورانِ حج میں کوئی بیع و شہار یا مزدوری کرے جس سے کچھ نفع ہو جائے تو اس میں کوئی گناہ نہیں، ہاں کفار عرب نے جو حج کو تجارت کی منڈی اور نہایتن گناہ بنالیا تھا اس کی اصلاح قرآن کے دو لفظوں سے کر دی گئی، ایک تو یہ کہ جو کچھ کمائیں اس کو اللہ تعالیٰ کا فضل اور عطا سمجھ کر حاصل کریں، شکر گزار ہوں، محض سرمایہ سمیٹنا مقصد نہ ہو، فَضْلًا مِّن تَرَجُّمِكُمْ فِيهِ اسی کی طرف اشارہ ہے، دوسرے فِي سَبِيلِ اللَّهِ کے لفظ نے یہ بتلادیا کہ اس کمائی میں تم پر کوئی گناہ نہیں، جس میں ایک اشارہ اس طرف ہے کہ اگر اس سے بھی اجتناب کیا جائے تو بہتر ہے، کیونکہ اخلاص کامل میں فرق آتا ہے، اور حقیقت مسئلہ کی یہ ہے کہ اس کا مدار اصل نیت پر ہے، اگر کسی شخص کی نیت اصل میں دنیوی نفع تجارت یا مزدوری ہے اور ضمنی طور پر حج کا بھی قصد کر لیا، یا نفع تجارت اور قصد حج دونوں مساوی صورت میں ہیں تب تو یہ اخلاص کے خلاف ہے، حج کا ثواب اس سے کم ہو جائیگا اور برکات حج جیسی اصل ہوتی چاہئے وہ حاصل نہ ہوں گی، اور اگر اصل نیت حج کی ہے اسی کے ثواب میں شکلا ہے، لیکن مصارف حج میں یا گھر کی ضروریات میں تنگی ہو، اس کو پورا کرنے کے لئے کوئی معمولی تجارت یا مزدوری کر لی، یہ اخلاص کے بالکل منافی نہیں، ہاں اس میں بھی بہتر یہ ہے، کہ خاص ان پانچ ایام میں جن میں حج کے افعال ادا ہوتے ہیں ان میں کوئی مشغلہ تجارت و مزدوری کا نہ رکھے، بلکہ ان ایام کو خالص عبادت و ذکر میں گزارے، اسی وجہ سے بعض علماء نے خاص ان ایام میں تجارت و مزدوری کو منوع بھی فرمایا ہے۔

عرفات میں وقوف اور اس کے بعد اس آیت میں ارشاد ہے، **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا أَقَضْتُمْ مِنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوا مَا هَدَىٰكُمْ** قرآن مجید میں قبلہ لَیْسَ الْبَیِّنَاتِ لَیْسَ الْبَیِّنَاتِ۔ ”یعنی پھر جب تم عرفات سے واپس آنے لگو تو مشعر حرام کے پاس خدا تعالیٰ کی یاد کرو، اور اس طرح یاد کرو جس طرح تم کو بتلا رکھا ہے، اور حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے پہلے تم محض ہی ناواقف تھے، اس میں بتلایا گیا ہے کہ عرفات



سے واپس میں رات کو مزدلفہ میں قیام اور اس کا خاص ذکر واجب ہیں۔

عرفات، لفظ تاج ہے، اور ایک خاص میدان کا نام ہے جس کے حدود و اربعہ معروف و مشہور ہیں، یہ میدان حرم سے خارج واقع ہوا ہے، حجاج کو اس میں پہنچنا اور زوال آفتاب مغرب تک یہاں قیام کرنا حج کا اہم ترین فرض ہے، جس کے فوت ہونے کا کوئی کفارہ اور فدیہ نہیں ہو سکتا۔

عرفات کو عرفات کہنے کی بہت سی وجوہ بتلائی جاتی ہیں، ان میں واضح یہ ہے کہ اس میدان میں انسان اپنے رب کی معرفت اور بذریعہ عبادت و ذکر اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرتا ہے، نیز مشرق و مغرب کے مسلمانوں کو آپس میں تعارف کا ایک موقع ملتا ہے، ارشاد قرآنی میں اس کی تاکید فرمائی ہے کہ عرفہ کے دن بعد مغرب عرفات سے واپس آتے ہوئے مشعر حرام کے پاس ٹھہرنا چاہئے، مشعر حرام ایک پہاڑ کا نام ہے، جو مزدلفہ میں واقع ہے، مشعر کے معنی شمار اور علامت کے ہیں اور حرام بمعنی محترم و مقدس کے ہے، معنی یہ ہیں کہ پہاڑ شمار اسلام کے اظہار کے لئے ایک مقدس مقام ہے، اس کے آس پاس کے میدان کو مزدلفہ کہتے ہیں، اس میدان میں رات گزارنا اور مغرب و عشاء دونوں نمازوں کو ایک وقت میں مزدلفہ میں پڑھنا واجب ہے، مشعر حرام کے پاس اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا، اگرچہ ہر طرح کے ذکر اللہ کو شامل ہے، مگر خصوصیت دونوں نمازوں کو ایک وقت یعنی مغرب کو عشاء کے ساتھ ادا کرنا اس جگہ کی مخصوص عبادت ہے، آیت کے جملہ وَاَذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ میں شاید اسی کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی یاد اور ذکر کے لئے جو طریقہ بتلایا ہے اسی طرح اس کو یاد کرو، اپنی راستے اور قیاس کو اس میں دخل نہ کیونکہ راستے اور قیاس کا مقتضی تو یہ تھا کہ مغرب کی نماز مغرب کے وقت میں پڑھی جاتی، عشاء کی عشاء کے وقت میں، لیکن اُس روز اُس مقام پر حق تعالیٰ کو یہی پسند ہوا کہ مغرب کی نماز مؤخر کی جائے، اس کو عشاء کے ساتھ پڑھا جائے، ارشاد قرآنی قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّاهُ کہ جس نے اپنے آپ کو پاک کر لیا، اور جس طرح چاہے یاد کرے، اور جس طرح چاہے اس کی عبادت کرے، بلکہ ذکر اللہ اور ہر عبادت کے خاص آداب ہیں، ان کے موافق ادا کرنا ہی عبادت ہے، اس کے خلاف کرنا جائز نہیں، اور اس میں کمی بیشی یا مقدم مؤخر کرنا خواہ اس میں ذکر اللہ کی کچھ زیادتی بھی ہو وہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں، لہذا عبادات اور صدقہ و خیرات وغیرہ میں جو لوگ بلا دلیل شرعی اپنی طرف کچھ خصوصیت اور اضافے کر لیتے ہیں، اور ان کی پابندی کو ضروری سمجھ لیتے ہیں، حالانکہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ضروری قرار نہیں دیا، اور ان افعال کے نہ کرنے والوں کو خطا وار سمجھتے ہیں

اس آیت نے ان کی غلطی کو واضح کر دیا کہ وہ اہل جاہلیت کی سی عبادت ہے، کہ اپنی راستے و قیاس سے عبادت کی صورتیں گھڑ رکھی نہیں، اور چند رسوم کا نام عبادت رکھ لیا تھا۔

اس کے بعد دوسری آیت میں ارشاد ہے، ثُمَّ أَفْضَوْا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ، اِنّٰی اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ، یعنی پھر تم سب کو ضروری ہے کہ اسی جگہ ہو کر واپس آؤ جہاں اور لوگ جا کر واپس آتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کرو، افسوسنا اللہ تعالیٰ معاف کر دیں گے اور مہربانی فرما دیں گے۔

اس جگہ کا شان نزول یہ ہو کہ قریش عرب جو بیت اللہ کے محافظ و مجاور تھے اور سائے عرب میں ان کا اقتدار مسلم تھا، اور ان کی ایک ممتاز حیثیت تھی، زمانہ جاہلیت میں وہ اپنی امتیازی شان بنانے کے لئے یہ حرکت کرتے تھے، اور سب لوگ تو عرفات کو جاتے اور وہاں وقوف کر کے واپس آتے تھے، یہ لوگ راستہ میں مزدلفہ کے اندر ہی ٹھہر جاتے تھے، اور کہتے تھے کہ ہم چونکہ بیت اللہ اور حرم کے مجاور ہیں، اس لئے حدود حرم سے باہر جانا ہمارے لئے مناسب نہیں، مزدلفہ حدود حرم کے اندر ہے، اور عرفات سے خارج، یہ پہاڑ کے مزدلفہ ہی میں قیام کر لیتے، اور وہیں سے واپس آ جاتا کرتے تھے، اور درحقیقت وجہ اس جیلہ پہاڑ کی اپنا فخر و غرور اور عام لوگوں سے ممتاز ہو کر رہنا تھا، حق تعالیٰ نے اس سرمان نے ان کی غلط کاری واضح فرمادی، اور ان کو حکم دیا کہ تم بھی وہیں جاؤ جہاں سب لوگ جاتے ہیں، یعنی عرفات میں اور پھر وہیں سے سب کے ساتھ واپس آؤ۔ ازل تو عام انسانوں سے اپنے آپ کو ممتاز کر کے رکھنا خود ایک منکرانہ فعل ہے، جس سے ہمیشہ ہی پرہیز لازم ہے، خصوصاً حج کے ایام میں جہاں لباس حرام اور پھر قیام و مقام کی نسبت کے ذریعہ اسی کا سبق دینا ہے کہ انسان سب برابر ہیں، امیر و غریب یا عالم و جاہل یا بڑے چھوٹے کا یہاں کوئی امتیاز نہیں، حالت احرام میں یہ امتیازی شان بنانا اور بھی زیادہ جرم ہے۔

انسانی مساوات کا زریں سبق | اس ارشاد قرآنی سے اصول معاشرت کی ایک اہم بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ انسانوں کی بہتر عمل صورت | قیام و مقام میں بڑوں کو چاہئے کہ چھوٹوں سے الگ ممتاز ہو کر نہ رہیں بلکہ مل جل کر رہیں، کہ اس میں باہمی اخوت و ہمدردی اور محبت و تعلق پیدا ہوتا ہے، اور امیر و غریب کی تعزین ملتی ہے، مزدور و سرمایہ دار کی جنگ ختم ہو جاتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری حج کے خطبہ میں اس کو خوب واضح کر کے ارشاد فرمایا، کہ کسی عربی کو بھی پر یا گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں، فضیلت کا مسدود تقویٰ اور اطاعت خداوندی پر ہے، اسی لئے جو لوگ ان کے خلاف مزدلفہ میں قیام کر کے اپنی ممتاز حیثیت بنانا چاہتے تھے، ان کے اس فعل کو گناہ مترار دے کر ان پر لازم کیا کہ اپنے اس گناہ سے توبہ و استغفار کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کی خطائیں



معاف فرادیں اور اپنی رحمت فرادیں۔

رسوم جاہلیت کی اصلاح بتی میں | چوتھی پانچویں اور چھٹی آیات میں چند رسوم جاہلیت کی اصلاح کی گئی  
فصول اجتماعات کی ممانعت | ہی ایک تویہ کہ عرب زمانہ جاہلیت میں عرفات و مزدلفہ اور طواف  
وقربانی سے فارغ ہو کر جب منیٰ میں قیام کرتے تھے قرآن کی مجلسیں صرف اس کام کے لئے ہوتی  
تھیں کہ مشاعرے منعقد کریں، اور ان میں اپنے مفاخر اور اپنے آباء و اجداد کے مفاخر اور کارناموں  
کا بیان کریں، ان کی مجلسیں ذکر اللہ سے یکسر خالی ہوتی تھیں، ان مبارک ایام کو ایسی لغو اور فضول  
چیزوں میں ضائع کرتے تھے، اس لئے ارشاد ہوا کہ جب تم اپنے افعال احرام کو پورا کر چکو اور  
منیٰ میں قیام کرو، تو وہاں رہ کر اللہ تعالیٰ کو یاد کرو، اپنے آباء و اجداد کو یاد کرنا اور مخصوص  
ان کے جھوٹے سچے مفاخر اور کارناموں کو بیان کرنا چھوڑ دو، جتنا تم ان کو یاد کرتے ہو اس کی جگہ  
بلکہ اس سے زیادہ خدا تعالیٰ کو یاد کرو، اور ذکر اللہ میں مشغول رہو، قرآن کی اس آیت نے عرب کی  
ایک جاہلانہ رسم کو مٹا کر مسلمانوں کو یہ ہدایت کی کہ یہ ایام اور یہ مقام عبادت اور ذکر اللہ  
کے لئے مخصوص ہیں، ان میں ذکر اللہ و عبادت کے جو فضائل و برکات ہیں وہ پھر ساتھ نہ آئیں گے  
ان کو غلیبت جانا چاہئے۔

علامہ ازبج ایک ایسی عبادت ہے جو عموماً سفر طویل کی مشقت، اہل و عیال کی مفارقت  
کاروبار کو ترک کرنے اور ہزاروں روپے اور بہت سا وقت خرچ کرنے کے بعد حاصل ہوتی ہو،  
اس میں حوادث کا پیش آجانا کچھ بعید نہیں کہ آدمی باوجود کوشش کے اپنے مقصد ج  
میں کامیاب نہ ہو سکے، جب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے تمام موانع ہٹا کر آپ کے مقصد میں  
کامیاب فرمایا اور فرائض ج پورے ہو گئے، تو یہ مقام شکر ہے، جس کا اقتضاء یہ ہے کہ اور  
زیادہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہو، ان اوقات کو فضول اجتماعات اور فضول کام یا کلام میں  
ضائع نہ کرو، اہل جاہلیت ان اوقات میں اپنے آباء و اجداد کے تذکرے کرتے تھے، جن کا کوئی نفع  
دین و دنیا میں نہ تھا، تم اس کی جگہ اللہ کا ذکر کرو جو نور ہی نور اور نفع ہی نفع ہے، دنیا کے لئے  
بھی آخرت کے لئے بھی، آجکل اگرچہ مسلمانوں میں وہ رسم جاہلیت تو نہیں رہی، کہ مشاعرے  
قائم کریں اور آباء و اجداد کے تذکرے کریں، لیکن آج بھی ہزاروں مسلمان ہیں جو ان ایام کو فضول  
اجتماعات میں فضول دعوتوں اور تفریحات میں صرف کرتے ہیں، یہ آیت ان کی تنبیہ کے لئے  
کافی ہے۔

بعض حضرات مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کو ایسا یاد کرو جیسے  
بچپن میں اپنے باپ کو یاد کرتے ہیں کہ ان کا سب پہلا اور سب سے زیادہ کلام یا آیت یا آیت ہوتا ہو

تم اب بالغ ہو، جوان ہو، مائل ہو، یا آیت یا آیت کی جگہ یا آیت یا آیت کو اختیار کرو، اور اس پر نظر ڈالو  
کہ بچپن میں اپنے باپ کو اس لئے پکارتا ہے کہ وہ اپنے تمام کاموں میں اپنے آپ کو باپ کا محتاج سمجھتا ہے،  
انسان اگر ذرا غور کرے تو وہ ہر وقت ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا محتاج اس سے زیادہ ہے، جیسا بچہ اپنے  
باپ کا محتاج ہے، نیز بعض اوقات کچھ لوگ اپنے باپ کا ذکر فرما بھی کیا کرتے ہیں، جیسے اہل جاہلیت  
کرتے تھے تو اس آیت نے یہ بھی ہدایت کر دی کہ خود عزت کے لئے بھی ذکر اللہ سے زیادہ کوئی چیز  
مؤثر نہیں (روح البیان)

ایک اور رسم جاہلیت کی اصلاح دین | جس طرح جاہلیت کی یہ رسم یہود تھی کہ ان مبارک ایام کو اپنے باپ  
دنیا کی طلب میں اسلامی اعتدال | دادوں کے تذکروں اور مشاعروں میں گذاریں، اسی طرح کچھ  
لوگوں کی یہ عادت تھی کہ اگرچہ ایام حج میں مشغول تو ذکر اللہ اور دعاؤں ہی کا رکھتے تھے، مگر ان کی  
تمام دہائیوں صرف دنیوی حاجات اور دنیا کی راحت و عزت یا دولت کے لئے ہوتی تھیں آخرت  
کی طرف کوئی دھیان نہ ہوتا تھا، ان کی اصلاح کے لئے اس آیت کے آخر میں فرمایا کہ بعض لوگ  
وہ ہیں جو حج میں دعا بھی مانگتے ہیں تو صرف دنیا کی بھلائی مانگتے ہیں، آخرت کی فکر نہیں کرتے،  
ایسے لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں، کیونکہ ان کے اس طرز عمل سے معلوم ہوا کہ سر لینیہ حج بھی  
انہوں نے محض رہنمائی اور دنیا میں فخر و جاہت حاصل کرنے کے لئے کیا ہے، اللہ تعالیٰ  
کو راضی کرنا اور آخرت میں نجات حاصل کرنا ان کے پیش نظر ہے ہی نہیں۔

اس جگہ یہ بات بھی قابل نظر ہے کہ صرف دنیاوی دعا مانگنے والوں کا ذکر اس آیت میں  
اس طرح کیا گیا ہے کہ وہ کہتے رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا اس کے ساتھ حَسَنَةً کا لفظ مذکور نہیں  
جس میں اشارہ اس کی طرف ہو کہ وہ دنیا کے لئے بھی حسنہ کے طلبگار نہیں، بلکہ اغراض دنیویہ میں  
ایسے مست و سرشار ہیں کہ ان کی طلب یہ رہ گئی ہے کہ اپنی خواہش کسی طرح پوری ہو، خواہ وہ  
اچھی ہو یا بُری اور اچھے طریقہ سے حاصل ہو یا بُرے راستہ سے، لوگ اُن کو اچھا کہیں یا بُرا۔

اس آیت میں اُن مسلمانوں کے لئے بھی بڑی تنبیہ ہے جو موسم حج اور مقامات مقدسہ  
میں بھی دعاؤں میں اپنی اغراض دنیویہ ہی کو ترجیح دیتے ہیں، اور بیشتر اوقات انہیں کے لئے  
صرف کرتے ہیں، اور اگر ہلکے حالات کا جائزہ لیا جائے تو ثابت ہوگا کہ بہت سے دولت مند لوگ  
یہاں بھی جو وظائف اور دعائیں کرتے ہیں یا بزرگوں سے کراتے ہیں ان میں بکثرت لوگ ایسے  
ہیں کہ ان کی غرض ان تمام وظائف و دعاؤں سے بھی صرف دولت کی ترقی، تجارت میں برکت  
اغراض دنیویہ میں کامیابی ہوتی ہے وہ بہت سے وظائف اور فوائد پر کڑی بھی سمجھتے ہیں  
کہ ہم بہت عبادت گزار ہیں، لیکن وہ حقیقت میں ایک طرح کی دنیا پرستی ہوتی ہے، بہت کچھ حضرات



زندہ بزرگوں سے اور وفات یافتہ اولیاء اللہ سے بڑا تعلق رکھتے ہیں، لیکن اس تعلق کا بھی بڑا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان کی دعا یا تعویذ سے ہمارے کام نکلیں گے، دنیا کی آفات دور ہوں گی، مال میں برکت ہوگی، ایسے لوگوں کے لئے بھی اس آیت میں خاص ہدایت ہو، معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے جو علیم وخبیر ہے، ہر شخص کو اپنے اعمال کا جائزہ لینا چاہئے، کہ وظائف و نوافل اور دعا و درود سے اوج و زیارت سے اس کی نیت کیا ہے۔ اس آیت کے آخری حصہ میں کم نصیب محروم القسمہ لوگوں کا تذکرہ کرنے کے بعد حق تعالیٰ نے نیک اور مقبول بندوں کا ذکر اس طرح فرمایا ہے:

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ یعنی ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنی دعاؤں میں اللہ تعالیٰ سے دنیا کی بھلائی اور بہتری بھی مانگتے ہیں اور آخرت کی بہتری بھی اور عذاب جہنم سے پناہ مانگتے ہیں۔

اس میں لفظ حسنہ تمام ظاہری اور باطنی خوبیوں اور بھلائیوں کو شامل ہے، مثلاً دنیا کی حسنہ میں بدن کی صحت، اہل و عیال کی صحت، رزق حلال میں وسعت و برکت و نبوی سب ضروریات کا پورا ہونا اعمال صالحہ، احسان و محمودہ علم نافع، عزت و وجاہت، عقائد کی درستی، صراطِ مستقیم کی ہدایت، عبادات میں اخلاص کامل سب داخل ہیں، اور آخرت کی حسنہ میں جنت اور اس کی بے شمار اور لازوال نعمتیں اور حق تعالیٰ کی رضا اور اس کا دیدار یہ سب چیزیں شامل ہیں۔

الغرض یہ دعا ایک ایسی جامع ہے کہ اس میں انسان کے تمام دنیوی اور دینی مقاصد آجاتے ہیں، دنیا و آخرت دونوں جہان میں راحت و سکون بدست آتا ہے، آخر میں خاص طور پر جہنم کی آگ سے پناہ کا بھی ذکر ہے، یہی وجہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بکثرت یہ دعا مانگا کرتے تھے رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ، اور حالت طواف میں خصوصیت کے ساتھ یہ دعا مننون ہے، اس آیت میں ان جاہل درویشوں کی بھی اصلاح کی گئی ہے جو صرف آخرت ہی کی دعا مانگتے کہ عبادت جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں دنیا کی کوئی پرواہ نہیں ہے، کیونکہ درحقیقت یہ ان کا دعویٰ غلط اور خیال خام ہو، انسان اپنے وجود اور بقا اور عبادت و طاعت سب میں ضروریات دنیوی کا محتاج ہے، وہ نہ ہوں تو دین کا بھی کوئی کام کرنا مشکل ہے، اس لئے انبیاء علیہم السلام کی سنت یہ ہے کہ جس طرح وہ آخرت کی بھلائی اور بہتری اللہ تعالیٰ سے مانگتے ہیں اسی طرح دنیا کی بھلائی اور آسائش بھی طلب کرتے ہیں، جو شخص دنیوی حاجات کے لئے دعا مانگے کہ زہد بزرگی کے خلاف سمجھے وہ مقام انبیاء سے بے خبر اور جاہل ہے، ہاں صرف دنیوی حاجات ہی کو مقصد زندگی نہ بنائے،

اس سے زیادہ آخرت کی فکر کرے اور اس کے لئے دعا مانگے۔

آیت کے آخر میں اسی دوسرے طبقہ کا جو کہ اپنی دعاؤں میں دنیا و آخرت دونوں کی بھلائی مانگتا ہو، انجام ذکر کیا گیا ہے کہ ان کے اس صحیح اور نیک عمل اور دعاؤں کا نتیجہ ان کو دنیا و آخرت میں ملے گا، اس کے بعد ارشاد ہے وَاللَّهُ سَيَرِيعُ الْحِسَابِ، یعنی اللہ جلد حساب لینے والا ہے، کیونکہ اس کا علم محیط اور قدرت کاملہ کے لئے ساری مخلوقات کے ایک ایک فرد اور پھر اس کی عمر بھر کے اعمال کا حساب لینے میں اُن آلات و ذرائع کی ضرورت نہیں جن کا انسان محتاج ہے، اس لئے وہ بہت جلد ساری مخلوقات کا حساب لے لیں گے، اور اُن پر جزاء و سزا مرتب فرمائیں گے۔

مٹی میں دو باہن دن کا قیام آٹھویں آیت جو اس جگہ احکام حج کی آخری آیت ہو اس میں حجاج کو ذکر اللہ اور ذکر اللہ کی تاکید کی طرف متوجہ کر کے ان کے مقصد حج کی تکمیل اور آئندہ زندگی کو درست رکھنے

کی ہدایت اس طرح فرمائی گئی ہے، وَادْكُمُ اللَّهُ فِي آيَاتِهِ مَعْدُودَاتٍ، یعنی اللہ کو یاد کرو گنتی کے چند دنوں میں، ان چند دنوں سے مراد ایام تشریق ہیں، جن میں ہر نماز کے بعد تکبیر کہنا واجب ہے۔ آگے ایک مسئلہ کی وضاحت کی گئی کہ منیٰ میں قیام اور حجرات پر کنکریاں مارنا کب تک ضروری ہے، اس میں اہل جاہلیت کا اختلاف رہا کرتا تھا، بعض لوگ تیس ہویں تاریخ ذی الحجہ تک منیٰ میں قیام اور حجرات پر رہی کرنے کو ضروری سمجھتے تھے، اس سے پہلے بارہویں کو واپس آجانے کو ناجائز اور ایسا کرنے والوں کو گنہگار کہا کرتے تھے، اس طرح دوسرے لوگ بارہویں تاریخ کو چلے آنا ضروری سمجھتے، اور تیسرے تک ٹھہرنے کو گناہ جانتے تھے، اس آیت میں ان دونوں کی اصلاح اس طرح کی گئی، اَكْفَمْتُمْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا أَفْئَمَ عَلَيْكُم مِّنْ تَأَخَّرَ فَلَا أَفْئَمَ عَلَيْكُم، یعنی جو شخص عید کے بعد صرف دو دن منیٰ میں قیام کر کے واپس آجائے، اس پر بھی کوئی گناہ نہیں، اور جو تیسرے دن تک مؤخر کرے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں، یہ دونوں فریق جو ایک دوسرے کو گنہگار کہتے ہیں غلو اور غلطی میں مبتلا ہیں۔

حج یہ ہے کہ حجاج کو دونوں صورتوں میں اختیار ہے جس پر چاہیں عمل کریں، ہاں افضل اولیٰ یہی ہے کہ تیسرے دن تک ٹھہریں، فقہاء نے فرمایا ہے کہ جو شخص دوسرے دن غروب آفتاب سے پہلے منیٰ سے چلا آیا اس پر تیسرے دن کی ری واجب نہیں، لیکن اگر آفتاب منیٰ میں غروب ہو گیا پھر تیسرے دن کی ری کرنے سے پہلے وہاں سے واپس آجانا جائز نہیں رہتا، البتہ تیسرے دن کی ری میں یہ رعایت رکھی گئی ہے کہ وہ زوال آفتاب سے پہلے صبح کے بعد بھی ہو سکتی ہے۔

منیٰ سے واپس کا اور اس میں حجاج کو اختیار دینے کا ذکر فرمانے کے بعد جو کچھ کہا گیا کہ دوسرے دن واپس آجائے تو کچھ گناہ نہیں، اور تیسرے دن واپس آجائے تو کچھ گناہ نہیں، یہ سب اس شخص



کے لئے ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اور اس کے احکام کی پابندی کرنے والا ہے، کیونکہ درحقیقت حج اسی کا ہے، جیسا قرآن میں دوسری جگہ ارشاد ہے، **إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ** (۲: ۱۷۵) "یعنی اللہ تعالیٰ عبادت انہی کی قبول کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے اور اطاعت شعائر بندے ہیں" اور جو شخص حج سے پہلے بھی گناہوں میں ملوث تھا، اور حج کے اندر بھی بے پروائی سے کام لیتا رہا، حج کے بعد بھی گناہوں سے پرہیز نہ کیا تو اس کو اس کا حج کوئی فائدہ نہ دے گا، اگرچہ اس کا حج فرض ادا ہو گیا، ترک حج کا جرم نہیں رہا۔

آخر میں ارشاد فرمایا **وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ تُحْشَرُونَ** - "یعنی ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے اور یقین کر دو کہ تم سب اللہ کے پاس جمع ہونے والے ہو، وہ تمہارے کھیلے ہوئے اور چپے ہوئے اعمال کا حساب لیں گے، اور ان پر جزا و سزا دیں گے، احکام حج جو اوپر کی آیات میں بیان کئے گئے ہیں یہ جملہ درحقیقت ان سب کی روح ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ میں ایام حج میں جب کہ اعمال حج میں مشغول ہوں اس وقت بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرو، احکام حج میں کوئی کوتاہی نہ کرو، اور بعد میں بھی اپنے حج پر معسرور نہ ہو، بلکہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، اور گناہوں سے اجتناب کرو، کیونکہ وزن اعمال کے وقت انسان کے گناہ اس کے نیک اعمال کو کھٹا جائیں گے، نیک اعمال کا اثر اور وزن ظاہر نہ ہونے دیں گے، عبادت حج کے متعلق حدیث میں ہے کہ جب انسان حج سے فایز ہو کر آتا ہے تو اپنے سابقہ گناہوں سے ایسا پاک صاف ہو جاتا ہے جیسے وہ ماں کے پیٹ سے آج پیدا ہوا ہے، اس لئے خاص طور سے حجاج کو آئندہ کے لئے تقویٰ کی ہدایت کی گئی کہ پچھلے گناہوں سے پاک ہو چکے ہو، آگے احتیاط رکھو، تو دنیا و آخرت کی بھلائی تمہارے لئے ہے، ورنہ جو شخص حج کے بعد پھر گناہوں میں مبتلا ہو گیا تو پچھلے گناہوں کی معافی اس کو کوئی خاص کام نہ آوے گی، بلکہ علمائے فرمایا ہے کہ حج مقبول کی علامت یہ ہے کہ اپنے حج سے اس طرح واپس آئے کہ اس کا دل دنیا کی محبت سے فایز اور آخرت کی طرف راغب ہو، ایسے شخص کا حج مقبول اور گناہ معاف ہیں، اور دعا اس کی مقبول ہے، ورنہ حج میں جگہ جگہ انسان اللہ تعالیٰ سے اطاعت و فرمانبرداری کا معاہدہ اس کے بیت کے سامنے کرتا ہے، اگر حج کر لے دے اس کا دھیان کہیں تو اس معاہدہ کے پورا کرنے کا آئندہ اہتمام میسر آسکتا ہے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں حج سے واپس آیا تو اتفاقاً میرے دل میں ایک گناہ کا دوسرا پیدا ہوا، مجھے غیب سے ایک آواز آئی کہ کیا تو نے حج نہیں کیا؟ کیا تو نے حج نہیں کیا؟ یہ آواز میرے اور اس گناہ کے درمیان ایک دیوار بن گئی، اللہ تعالیٰ نے مجھے محفوظ فرما دیا۔

ایک ترک بزرگ جو مولانا جہی رحمۃ اللہ علیہ کے مريد تھے ان کا حال یہ تھا کہ ہمیشہ اپنے سر پر

ایک نور کا مشاہدہ کیا کرتے تھے، وہ حج کر گئے اور فایز ہو کر واپس آئے تو یہ کیفیت بھلے بڑھنے کے بالکل سلب ہو گئی، اپنے مرشد مولانا جہی سے اس کا تذکرہ کیا تو انھوں نے فرمایا کہ حج سے پہلے تمہارے اندر تواضع و انکسار تھا، اپنے آپ کو گھنگار سمجھ کر اللہ تعالیٰ کے سامنے الحاح و زاری کرتے تھے، حج کے بعد تم اپنے آپ کو نیک اور بزرگ سمجھنے لگے، اس لئے یہ حج ہی تمہارے لئے غرور کا سبب بن گیا، اسی وجہ سے یہ کیفیت زائل ہو گئی۔

احکام حج کے ختم پر تقویٰ کی تاکید میں ایک راز یہ بھی ہے کہ حج ایک بڑی عبادت ہے، اس کے ادا کرنے کے بعد شیطان عموماً انسان کے دل میں اپنی بڑائی اور بزرگی کا خیال ڈالتا ہے، جو اس کے تمام عمل کو بیکار کر دینے والا ہے، اس لئے خاتمہ کلام میں فرمایا کہ جس طرح حج سے پہلے اور حج کے اندر اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور اس کی اطاعت لازم ہے اسی طرح حج کے بعد اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈر لے اور گناہوں سے پرہیز کا اہتمام کرتے رہو کہ کہیں یہ کی کرائی عبادت ضائع نہ ہو جائے۔ **وَقِنَا غَمًّا عَنَّا وَتَرْضَىٰ مِنَ الْقَوْلِ وَالْفَعْلِ وَالنِّيَّةِ**۔

**وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهَدُ اللَّهُ**

اور بیضا آدمی وہ ہے کہ پسند آتی ہو تجھ کو اس کی بات دنیا کی زندگیوں کے کاموں میں اور گولہ کرتا ہو

**عَلَىٰ مَا فِي قَلْبِهِ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ ۖ وَإِذَا تَوَلَّىٰ سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ**

اللہ کو اپنے دل کی بات پر اور وہ سخت جھگڑا رہے، اور جب پھرے تیرے پاس سے تو دوڑتا پھرے ملک

**لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفُسَادَ ۚ**

میں تاکہ اس میں خرابی ڈالے اور تباہ کرے کھیتیاں اور جانیں اور اللہ ناپسند کرتا ہے فساد کو،

**وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ ۚ**

اور جب اُس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈرو تو آمادہ کرے اس کو غرور گناہ پر سوکانی ہے اس کو دوزخ

**وَلَبِئْسَ الْيَقَارُ ۚ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتٍ**

اور بے شک بڑا ٹھکانا ہے، اور لوگوں میں ایک شخص وہ ہے کہ بیچتا ہے اپنی جان کو اللہ کی رضا جوئی

**اللَّهُ وَاللَّهُ زُكُوفٌ بِالْعِبَادِ ۚ**

میں، اور اللہ نہایت ہرمان ہے اپنے بندوں پر